بسمہٖ سبحانہٗ

دل میں لگا کے اُن کی لَو
کردے جہاں میں نشر ضو

شمعیں تو جل رہی ہیں سو
بزم میں روشنی نہیں

بنیادِ اصلاح

یعنی

معیّتِ صادقین کی ضرورت

اہلِ علم کیلئے ایک قیمتی اور مفید مجموعہ

از افادات حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ
و دیگر اکابرین عظام

شائع کردہ: مکتبہ احیاءِ سنت حیدرآباد

۵۹۷-۵-۱۱ جامع مسجد ٹین پوش، ریڈ ہلز
حیدرآباد ۵۰۰۰۰۴

تفصیلات کتاب

نام کتاب : بنیاد اصلاح یعنی معیتِ صادقین کی ضرورت

ترتیب : محمد عبدالستار، سابق محاسب مدرسہ فیض العلوم، حیدرآباد

سن اشاعت : ۱۴۱۸ھ م ۱۹۹۷ء

تعداد : ۲۰۰۰

کتابت : شکیل کمپوزنگ سنٹر، 17-9-183/3/5 کرماگوڑہ
نزد مسجد معراج، سعید آباد، حیدرآباد۔ ۵۹ فون : 528583

ناشر : مکتبہ احیاء سنت، 11-5-597، مدرسہ امداد العلوم، مسجد
ٹین پوش، لال ٹیکری، حیدرآباد۔ ۴ اے پی فون: 3325952

قیمت : ۔/۳۰ روپیے

طباعت : جی سی پرنٹرس، نئی دہلی فون: 3261393

ملنے کے پتے

۱) مدرسہ فیض العلوم، باقرباغ، سعید آباد، حیدرآباد۔ ۶۵۹ فون: 4577422

۲) مکتبہ اشرفیہ، اشرف المدارس ہردوئی، یوپی، 241001

۳) مکتبہ اشرفیہ، نمبر ۳۶، محمد علی روڈ، بمبئی۔ ۳

۴) مکتبہ رحمانیہ، ہتورا، ضلع باندہ، یوپی، 210001

۵) مکتبہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی

فہرست عنوانات

تقریظ از حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم
عرض مرتب ۲
نظم (زبان عشق) ۵
مقدمہ ۶

افاضات حکیم الامت علیہ الرحمہ

درجات عالیہ کا ترتب علم مع العمل پر ہے ۱۳
للہ اس ناز کو چھوڑو ۱۳
خام خیالی چھوڑو ۱۳
حرص وطمع کے پاس بھی نہ جاؤ ۱۴
فضائل حاصل کرنے کا طریقہ ۱۴
جس طرح علم مطلوب ہے
اسی طرح اس کی ترقی بھی ۱۵
زیادت فی العلم میں کون مشغول ہوتا ہے ۱۶
خوش استعداد طلبہ کا حال ۱۷
ہر تنخواہ اجرت نہیں ۱۷
اجرت اور نفقہ میں فرق اور اس کا معیار ۱۷
خداتعالی سے معاملہ ہے اس
میں بحث بیکار ہے ۱۸
یہ کرایہ کا ٹٹو ہے ۱۹
علم حقیقی کا تعین جس کی زیادتی مطلوب ہے ۲۰
حقیقت علم کیا ہے ؟ ۲۱
حضرت علی کی تردید ۲۱
بعضے عیسائی حدیث وفقہ کے ماہر ہیں ۲۴
امور ذوقیہ کی حقیقت بیان کرنے
سے سمجھ میں نہیں آتی ۲۵
ٹیڑھی کھیر کا قصہ ۲۶
کثرت معلومات علم نہیں ۲۷
علم اور معلومات میں فرق ۲۷
ذکر وشغل مراقبات زینت تقوی ہے تقوی نہیں ۲۸
العلماء ورثۃ الانبیاء ۲۹
کمال علمی وجہ وراثت نہیں ۲۹
ابلیس بھی بڑا عالم ہے ۳۰
غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہوسکتے ۳۰
محض صفت علم پر ہی ایک ناز پایا جاتا ہے ۳۱
ہماری تعظیم میں کمی پر سخت تعجب ۳۱
صرف علم ہی کو مقصود اور عمل کو کوئی
چیز ہی نہیں سمجھتے ۳۲
تقوی میں کمی علم میں کمی کا سبب ہے ۳۲
یہ مطلب نہیں کہ غیر متقی جلالین بیضاوی
پڑھانے پر قادر نہ ہوگا ۳۳
یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق نہ بنیں ۳۴
معصیت کا تسبب بھی معصیت ہے ۳۴
عمل ہی کی طرف التفات نہیں ۳۵
علماء غیر کاملین کی دوڑ ۳۵
خفیف چیز کا اہتمام ہے شد کا نہیں ۳۶
مولوی صاحبان سے کون کہے ۳۶
اپنے اندر امراض کا علم ہوتا ہے مگر...... ۳۷
شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا واقعہ ۳۷
طالب کو تو چیز ملنی چاہئے خواہ کہیں سے ملے ۳۸
خصلت بد جس نے کفار کو علوم وحی
سے محروم رکھا ۳۹
کسی محقق کا اتباع کرے ۴۰
تاویل کے متعلق طالب علمی کا واقعہ ۴۰

عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین مولویوں کے قبضہ کا ہے ۴۰
جس مباح سے فساد عوام کا اندیشہ ہو اس کا ترک واجب ہے ۴۱
احتیاط کے متعلق ایک عالم کی حکایت ۴۱
اہل مدارس کی لغزش ۴۲
حضرت گنگوہی کا جواب کہ مدرسہ مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے ۴۲
نااہل کو ممبر بنانا معصیت ہے ۴۳
یہ دھن نہیں گھن ہے ۴۳
ہر نفع متعدی نفع لازم سے افضل نہیں ۴۴
علماء بھی نفع متعدی کے مسئلہ سے دھوکہ میں ہیں ۴۴
نظر صحیح پیدا کرو ورنہ کسی صاحب نظر کا دامن تھام لو ۴۵
شیخ صاحب نظر بھی اپنے لئے کوئی شیخ تجویز کرے ۴۵
ہر شخص کو حق نہیں کہ اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھے ۴۵
نفع خلق مطلوب ہونے کی علامت ۴۶
خانقاہ والے دوسرے خانقاہ کو مدارس والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے ۴۶
حضرت حاجی صاحب اور حضرت حسن شاہ کا واقعہ ۴۷
شیخ شمس الدین ترک اور شاہ بو علی قلندر کا واقعہ ۴۷
ہمارے اندر تحزب اور گروہ بندی کا مرض آگیا ہے ۴۸
غیر صوفی کامل مومن نہیں ہوتا ۴۸
رفع التباس کے لئے سالک کی رائے کافی نہیں شیخ مبصر ضروری ہے ۴۹
غلطی کا مبنیٰ اکثر اشتباہ بین الامر ہوتا ہے ۵۰
حب مال سے تذلل اور حب جاہ سے تکبر پیدا ہوتا ہے ۵۰
راہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں ۵۱
اہل محبت کی صحبت اختیار کرو ۵۲
حکایت از مثنوی ۵۳
تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے اس کا ثبوت ۵۷
علم دین ہی معلم الاخلاق ہے ۵۷
علم دین کے ساتھ اخلاق کی تعلیم ۵۸
تعلیم و تعلم کا مقصود اصلی یہی ہے کہ آدمی خدا کا ہو جائے ۵۸
تصوف نام ہے مقامات کا ۵۹
دور حاضر میں صحبت اہل اللہ کی اہمیت ۵۹
شریعت کے پانچ اجزاء ۵۹
تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں ۶۰
تصوف کی ضرورت اور اس کا رواج ۶۱
بیعت و ارادت کا ثبوت حدیث صحیح سے ۶۲
بیعت کی ضرورت ۶۴
صحبت شیخ کی ضرورت ۶۶

افاضات حضرت مولانا [illegible] صاحب دامت فیوضہم

تقوی اور خشیت نہ ہو تو علوم ظاہری سے کچھ نفع نہیں ۶۹
غالب اور مغلوب کا فرق ۷۴
کونوا مع الصادقین ۷۵
خوف اور خشیت پر عمل آسان ہونے کی مثال ۷۵
پرانے ڈرائیور سے بھی ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ۷۵
نیک لوگوں کی صحبت تھوڑی دیر کے لئے بھی نفع بخش ہے ۷۶
تعلیم و تبلیغ سے اہم تزکیہ ہے ۷۷
ضابطہ کا راستہ دور کا بھی اور مشکل بھی ۷۷
گمراہ فرقوں کے بانی سب اہل علم ہیں ۷۷

افاضات حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحبؒ شروانی

افاضات بسلسلہ اصلاح نفس ۷۸
نور نبوت و نور علم ۹۰
بصارت کو نور آفتاب کی ضرورت ہے ۹۰
بصیرت کو نور نبوت کی ضرورت ہے ۹۱
ایک حسی مثال ۹۱
نور صحابہ کی ضرورت ۹۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع الانوار ہیں ۹۳
صحابہ استفادہ میں مثل ستاروں کے ہیں ۹۳
نور نبوت علم ہے ۹۳
نور الٰہی معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتا ۹۴
معصیت کے ظلمت ہونے کی دلیل ۹۴
ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے ۹۴
نور نبوت کی مثال ۹۵
علم عمل کے لئے بنیاد ہے ۹۶
علم نافع کا سوال ۹۶
مدارس دینیہ قابل مدح ہیں ۹۶
بغیر نور نبوت کے اندھیرا ہے ۹۷
سب سے پہلے علم کی ضرورت ۹۷
زیادتی علم کا سوال ۹۸

افادات حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ۱۰۰

افادات حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

اہل اللہ اور مشائخ کی صحبت کے برکات اور فوائد ۱۰۳
کاملین کی صحبت کتنی ہو ۱۰۳
کیا اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے ؟ ۱۰۴
اہل اللہ کی نظر کے برکات ۱۰۵
اہل اللہ کی صحبت جنت کے باغ ہیں ۱۰۶
اہل اللہ کی صحبت کی برکتوں کے منکرین علامہ آلوسی کی نظر میں ۱۰۶
صراط مستقیم اور اہل اللہ کی صحبت و رفاقت ۱۰۷
مطلق رفاقت کافی نہیں حسن رفاقت مطلوب ہے ۱۰۷
منعم علیہم صراط مستقیم کے بدل الکل ہیں ۱۰۸
صحبت کے برکات کی حسی مثالیں ۱۰۸
صحبت کے باوجود نفع نہ ہونے کی وجہ ۱۰۹
حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کا ارشاد ۱۱۰
حضرت پھولپوری علیہ الرحمہ کا ارشاد ۱۱۰
علامہ انور شاہ کشمیری کا ارشاد ۱۱۰
علامہ قشیری کا ارشاد ۱۱۱
ارشاد حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتؒ مصنف تفسیر مظہری ۱۱۱
حضرت گنگوہی کا ارشاد ۱۱۱
حضرت خواجہ معصوم باللہ کا ارشاد ۱۱۱
ارشاد علامہ سید سلیمان ندوی ۱۱۲
حضرت رومی کا ارشاد ۱۱۲
ارشاد شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۱۱۳
ارشاد حضرت ملا علی قاری ۱۱۳
ارشاد رومی ۱۱۳
ارشاد حکیم الامت علیہ الرحمہ ۱۱۴
دعاء جلال الدین رومی ۱۱۴
تربیت اور صحبت اہل اللہ کی تفہیم کے لئے دو عجیب و غریب مثالیں ۱۱۴
ایک سبق آموز واقعہ ۱۱۸
چند ارشادات حضرت حکیم الامت ۱۱۸
علامہ ابن حجر کا و شیخ عبادہ مالکی کا سبق آموز واقعہ ۱۲۱

(ملفوظ مولانا ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم)

اخلاص ۱۲۳

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

تقریظ

از حضرت مولانا الشاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، ناظم مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی

حامداً ومصلیاً ومسلماً   امابعد!

انسان کی نقل و حرکت اور اس کے اعمال و افعال کا محرک اس کے جذبات و خیالات ہی ہوتے ہیں اگر خیالات پاکیزہ ہیں تو اعمال بھی اچھے و نیک ہونگے۔ اگر جذبات غلط ہیں تو اعمال بھی برے و غلط ہونگے۔ اور جذبات و خیالات کا سرچشمہ انسان کا قلب ہے اس سے واضح ہوا کہ انسان کے نیک و صالح ہونے کا دارومدار قلب کی اصلاح و درستگی ہی پر ہے جس کا سب سے مؤثر منصوص و متوارث طریقہ اہل اللہ و بزرگان دین کی صحبت و معیت ہے۔ چنانچہ اسی کی ضرورت و اہمیت کے سلسلہ میں مکرمی جناب حاجی عبد الستار صاحب زید لطفہ نے اس کتاب کو مرتب کیا۔ جس میں اس کے متعلق مختلف اکابر کرام بالخصوص حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ارشادات جمع کئے ہیں۔ جی بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

ابرار الحق

۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ م ۴/ اپریل ۱۹۹۷ء یوم جمعہ

باسمہ تعالیٰ

عرض مرتب

دین کا ایک اہم ترین شعبہ اخلاق کا ہے اور اخلاق صرف ظاہری طور پر لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خوش اسلوبی سے پیش آنے کا نام نہیں بلکہ درحقیقت اخلاق ذمیمہ یعنی کبر، عُجب، حسد، ریاء، غصہ وغیرہ سے دل کے پاک ہونے اور خصائلِ حمیدہ یعنی تواضع و انکساری، صبر و شجاعت، اخلاص و صدق، فکرِ آخرت، زہد و قناعت وغیرہ سے آراستہ ہونے کا نام ہے۔ اور اس کا تعلق باطن سے ہے نہ کہ ظاہر سے، جس طرح اعمالِ ظاہری کی اصلاح و درستگی کیلئے فقہاء نے احکام مدون کئے ہیں، اسی طرح اخلاقِ باطنی کی اصلاح کیلئے صوفیاء نے بھی شریعتِ مطہرہ کے احکام ہی کی روشنی میں احکام اور دستور العمل ترتیب دیئے، مثلاً فقہاء نے ظاہرِ نماز کی اصلاح کیلئے ارکان، شرائط، واجبات کی تحقیق کی، تو صوفیاء نے اس کو ریاء سے پاک اور اخلاص سے مزین کرنے کا طریق بتایا تاکہ وہ عمل مقبول ہوجائے اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں تھا۔ اس لئے کہ آپ کا فرضِ منصبی جہاں تعلیمِ کتاب و حکمت تھا وہیں تزکیہ باطن بھی تھا۔ اس لئے کہ تزکیہ باطن کے بغیر محض علم، علمِ نافع نہیں اور علمِ غیر نافع تو انسان کے لئے وبالِ جان ہے۔ علمِ محض تو ابلیس کے پاس بھی تھا اور کمیت و مقدار میں بہت زیادہ بھی، لیکن وہی باطنی مرض تکبر اسے لے ڈوبا، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین ہمیشہ علم کے ساتھ تزکیہ اخلاق پر بھی بھرپور توجہ دیتے رہے ہیں۔ ماضی میں یہ دونوں شعبے جُدا جُدا نہ تھے۔ استاد، معلم بھی ہوتا، مربی و مزکی بھی، مدارس کا مروجہ نظام نہ تھا بلکہ طالب علم استاد کی خدمت میں حاضر ہوتا اور استفادہ کرتا۔ جب استاد طالب علم کی تعلیمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ باطن سے مطمئن ہوجاتا

تو اسے دستارِ فضیلت عطا کی جاتی ۔ کسی خاص کورس کی تکمیل پر استاد سندِ فضیلت دینے کا پابند نہ تھا ۔ پھر مدارس کا مروجہ نظم قائم ہوا ۔ اور یہ دونوں شعبے الگ ہوگئے ۔ تعلیم کے لئے درس گاہیں تھیں اور تزکیہ کے لئے خانقاہیں ۔ طلبہ ایک مدت تک درس گاہوں میں رہتے پھر تزکیہ کے لئے ایک معتدبہ وقت کسی اللہ والے کی صحبت میں گذارتے ۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ نظام مائل بہ زوال ہوا ۔ کچھ تو تصوف کے نام پر بعض دنیادار قسم کے لوگوں کا شریعت سے انحراف اور کچھ مادہ پرستی کے سیلاب اور پروپگنڈے کی قوت نے یہ اثر دکھایا کہ غیر تو غیر ، خود اہلِ مدارس کے لئے تصوف ایک شجرِ ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر گیا ۔ پھر اس کے نتیجہ میں جس اخلاقی زوال کا مشاہدہ آج خود دینی مدارس کے طلبہ میں ہورہا ہے وہ ہر دردمند کو کرب اور تکلیف سے دوچار کئے ہوئے ہے ۔ احقر کو بھی اپنے عزیز طلبہ کو دیکھ کر افسوس ہوتا اور فکر ہوتی کہ کسی طرح ان کو اصلاح کی جانب متوجہ کیا جائے ۔ اس کا شدت سے احساس ہوا کرتا تھا ۔

دریں اثناء دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے میرے عزیز نے اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت سے ناواقفی کی وجہ سے کہا میں فلاں کی طرح صوفی نہیں ہوں ۔ سنتے ہی دل پر چوٹ لگی ۔ فوراً حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ یاد آگیا "میں ضرور کہونگا غیر صوفی کامل مومن نہیں ہوتا" (ارضاء الحق ۲) ۔ یہی سبب بنا اس مجموعہ کی تیاری کا ۔ پھر حضرت تھانویؒ اور حضرت کے خلفاء ودیگر اکابرین کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کے دوران اس موضوع سے متعلق جو مضمون ملتے گئے ایک بیاض پر تحریر کرتا گیا ۔ جب چند مضامین جمع ہوگئے تو حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ ، حضرت صوفی عبد الصمد صاحبؒ بھونیشوری کو سنانے کا موقع ملا ۔ ان بزرگوں نے اسے پسند فرمایا بلکہ عام استفادہ کیلئے ان مضامین کو کتابی شکل میں طبع کرانے پر زور دیا ۔ جس عزیز کے جواب سے متاثر ہوکر ان مضامین کا انتخاب کیا تھا الحمد اللہ آں عزیز کو بھی ان مضامین سے فائدہ ہوا ۔ وہ اس حقیقت کے معترف ہوئے اور مرشدی و مولائی حضرت

اقدس مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت فیوضہم سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیا ہے ۔ عزیز موصوف پر بزرگوں کے مضامین کے اثر کا مشاہدہ ہونے کے بعد استفادہ عام کے لئے طباعت کا عزم کرلیا ۔ لیکن اپنی عدمِ صلاحیت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے کام ٹلتا رہا ۔ بالآخر عزیزم مولوی احمد عبد اللہ طیب سلمہ نے عنوانات قائم کئے ۔ بایں طور یہ مجموعہ تیار ہوگیا ۔ احقر کوئی عالم نہیں اور نہ علمی اہلیت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کوئی مضمون بطور مقدمہ لکھ سکے ۔ اس لئے مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہم الہ آبادی کا فیضانِ محبت میں تحریر کردہ مقدمہ ، مزید حضرت تھانویؒ کے دو ملفوظات کو شامل کرکے اس کتاب کا مقدمہ تجویز کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرماکر ہم سب کے لئے نافع بنائے ۔ آمین

محمد عبد الستار

سابق محاسب ، مدرسہ فیض العلوم ، سعید آباد ، حیدرآباد دکن

زبان عشق

از:۔ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی

در راز شریعت کھولتی ہے
زبان عشق جب کچھ بولتی ہے

خرد ہے محو حیرت اس زباں سے
بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں

جو لفظوں سے ہوئے ظاہر معانی
وہ پاسکتے نہیں درد نہانی

لغت تعبیر کرتی ہے معانی
محبت دل کی کہتی ہے کہانی

کہاں پاؤ گے صدرا بازغہ میں
نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں

مگر دولت یہ ملتی ہے کہاں سے
بتاؤں میں ملے گی یہ جہاں سے

یہ ملتی ہے خدا کے عاشقوں سے
دعاؤں سے اور انکی صحبتوں سے

وہ شاہ دو جہاں جس دلمیں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

ارے یارو جو خالق ہو شکر کا
جمال شمس کا نور قمر کا

نہ لذت پوچھ پھر ذکر خدا کی
حلاوت نامِ پاک کبریا کی

بگوید زیں سبب ایں عشق بے باک
چہ نسبت خاک را باعالم پاک

یہ دولت درد اہل دل کی اختر
خدا بخشے جسے اس کا مقدر

مقدمہ

ماخوذ از مقدمہ فیضان محبت (مرتبہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہم)

جونکہ بسا اوقات ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے خشک علماء اور نارسیدہ صوفیاء ایک دوسرے کے درپئے تنقیص و تحقیر ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے بعض دفعہ باہم ایک خلیج حائل ہوجاتی ہے بلکہ جنگ وجدال کی نوبت آجاتی ہے تو حضرت سیدنا رفاعی نے جو زبردست عالم اور طبقہ علیا کے صوفیاء میں سے ہیں اپنے زمانے کا حال دیکھ کر اس کی اصلاح کے لئے بہت ہی اعتدال وانصاف سے فیصلہ فرمایا ہے جس کا اقتباس درج کرتا ہوں۔ جس سے انشاء اللہ بصیرت ومعرفت کا ایک وسیع باب مفتوح ہوجائے گا۔ وھوہذا

"پس خبردار علماء کے حقوق ضائع نہ کرنا۔ تم کو ان سے حسن ظن رکھنا چاہیئے اور ان میں سے جو متقی اور عالم باعمل ہیں حقیقت میں اولیاء اللہ وہی ہیں۔ ان کی حرمت وعزت کی تمہیں خاص طور سے حفاظت کرنی چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ العلماء ورثہ الانبیاء یعنی علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں"

نیز فرماتے ہیں:۔

"میرے نزدیک جو صوفی فقیہ کی حالت پر انکار کرے یقینا بتلائے قہر ہے اور جو فقیہ صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ راندہ درگاہ ہے۔ ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو، شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کررہا ہو، شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر گناہ نہیں ہے نیز فرماتے ہیں:۔

"جس صوفی کو لفظوں کا پردہ اصل مقصود اور نتیجہ سے روک دے وہ جاہل ہے اور

اللہ تعالی نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا۔ اور جس فقیہ و عالم کو یہ لفظی حجاب حقیقت کے سمجھنے سے روک دے وہ بھی محروم ہے ۔ اے اللہ میں اس علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو نفع سے روک دے "۔ نیز فرماتے ہیں:

"عزیز من! ان غریب علماء سے جو حجاب میں پڑے ہیں پوچھو کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے شہروں میں کوئی ایسا شخص رہے جو زبردست کرامتوں سے منکروں، گمراہوں، معاندین کو دبادے اور مغلوب کردے جن کو دیکھ کر مخالفین اسلام خود ہی بول اٹھیں کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے (بحث و تکرار کی نوبت ہی نہ آئے)"

"کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زبان کا سلسلہ بند ہوجائے ۔ کیا تمہارے نفس یہ خواہش کرتے ہیں کہ معجزات نبویہ کی سلطنت جاتی رہے (اگر تمہاری یہ تمنا ہے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ) ۔ اگر نہیں ہے تو بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ترجمان کون ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا نمونہ کس کے پاس ہے ۔ تمہارے یا صوفیاء کے پاس ۔ اگر یہ لوگ نہ رہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کا نمونہ دنیا کو کون دکھائے گا ۔"

لہٰذا اسی دولت باطنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمالات کی تحصیل کے لیے ہر زمانے میں مخلص علماء، جو اپنے اپنے زمانے کے غزالی اور رازی ہوئے ہیں مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں اور اپنے کو مٹا کر اس متاع گرانمایہ کو حاصل کرتے رہے ہیں اور بے دریغ ان حضرات کے فضل و کمال کا علیٰ رؤس الاشہاد اعتراف فرمارہے ہیں ۔ چنانچہ امام قشیری نے فرمایا ہے ۔ مدت اسلام کے کسی زمانے میں بھی اگر کوئی شیخ ہوا ہے تو علماء میں سے اماموں تک نے ان کے ساتھ انقیاد و تواضع کا معاملہ کیا ہے ۔ اور ان سے تبرک حاصل کیا ہے ۔ لہٰذا اس قوم کی برتری و فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت امام شافعی اور امام احمد نے شیبان راعی کی

مدح فرمائی ہے ایسے ہی ابوالعباس ابن شریح نے حضرت جنید کی تصدیق کی جب کہ ان کی خدمت میں گئے اور فرمایا کہ ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن البتہ ان کے کلام میں ایسی شان و صولت تھی کہ وہ صاحب باطل کے کلام میں ہو ہی نہیں سکتی ۔

نیز امام احمد کے بارے میں مروی ہیکہ اپنے لڑکے کو صوفیاء کی مصاحبت پر ابھارتے تھے ۔ اور فرماتے تھے کہ اخلاص کے جس مقام تک یہ لوگ پہنچے ہیں وہاں تک ہم نہیں پہونچے ہیں (از طبقات الکبری) ۔

سبحان اللہ! ہمارے ائمہ کے اندر کس قدر حق شناسی و للّٰہیت تھی کہ ایسی باتیں بھی صاف صاف سب کے سامنے بیان فرماتے تھے اور ذرا بھی جھجک محسوس نہیں فرماتے تھے جو ان کے اخلاص پر برہان ہے ۔ اور یہ اس لئے فرمارہے ہیں تاکہ ان کے مقلدین و معتقدین اس امر میں ان کی اقتداء کریں اس کی تائید میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی جو خود اپنے زمانے کے زبردست مفسر و محدث تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے اجل خلفاء میں سے تھے عبارت تحفۃ السالکین سے نقل کرتا ہوں :

"بیشمار لوگوں کی ایک جماعت جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور وہ اس قسم کی جماعت ہے کہ ہر ایک فرد بشر تقویٰ اور علم کے باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے ۔ زبان قلم سے اور قلم زبان سے خبر دیتی ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت کی وجہ سے جن کی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے عقائد حقہ اور فقہ کے سوا جن سے وہ ان کی صحبت سے پیشتر بھی بہرہ ور تھے باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہوگئی ہے اور اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہوگئے ہیں یہی وہ حالت ہے جس کو کمال کہنا چاہئے اور یہی حالت بہت سے کمالات کی موجب بنے "۔

(تحفۃ السالکین صفحہ ۔ ۴)

خود مولانا روم کا اعتراف ملاحظہ ہو۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نشد

نیز آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ حضرت سید احمد بریلوی نقشبندی قدس سرہ جو اصطلاحی عالم بھی نہ تھے مگر اس کے باوجود شیخ الاسلام حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا اسمعیل صاحب شہید جیسے متبحر عالم اسی دولت کی تحصیل کے لئے حضرت سید صاحب کے حلقہ ارادت اور سلسلہ بیعت میں منسلک ہوگئے ۔ اور خود کو ان کے سامنے اس طرح مٹایا کہ سید صاحب کی پالکی کو کندھا دیتے اور ان کی رکاب تھام کر چلنے کو باعث فخر سمجھتے تھے ۔ نیز سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ خود صاحب کمال شخص ہیں پھر آپ سید صاحب پر اس قدر کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرادیا ۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا نہیں آتا تھا ۔ سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا ۔

اسی طرح ماضی قریب کے علماء اعلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی و مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ قدس سرہ الاسرار ہم اپنے زمانے کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں گئے جب کہ وہ بھی اصطلاحی عالم نہ تھے مگر ان حضرات نے اپنے کو مٹا کر نسبت باطنی حاصل کیا اور فائز المرام ہوئے ۔

ظاہر و باطن کے جامع علماء ہی سے دین کا حقیقی کام ہوتا ہے

اور حق بات یہ ہیکہ ایسے ہی علماء جو ظاہر و باطن دونوں کے جامع ہوتے ہیں انہی سے دین کا حقیقی کام ہوتا ہے ۔ اور یہ اس لئے کہ ان کے قلوب کے اندر اساس دین صدق و اخلاص

کی روشنی و قوت آجاتی ہے اس لئے جو بات بھی کہتے ہیں اس کے ساتھ چونکہ ان کے اخلاص کا نور بھی شامل حال رہتا ہے اس لئے سامعین و طالبین پر لامحالہ اس کا اثر پڑتا ہے ۔ بلکہ ان کی تحریر میں بھی اس کا اثر نمایاں رہتا ہے ۔ اور یقیناً ان کی عبارات ان کے انوار نسبت سے منور ہوا کرتی ہیں جس کو اہل ذوق محسوس کرتے ہیں ۔

چنانچہ ہمارے فقہا اور محدثین کی مبارک جماعت نے اپنے عصر کے حضرات اہل اللہ سے خاص ربط رکھا ہے اور ان کی خدمت میں تشریف لے گئے ہیں اور یہ حضرات بالیقین اس دولت باطنی سے مشرف تھے جس کی برکت سے انکے ذرائع علوم دینیہ کے احیاء و اشاعت کے ایسے محیر العقول کام انجام پائے جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔

(ماخوذ از مقدمہ فیضان محبت)

ملفوظ حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ

ارشاد فرمایا کہ اے ہم سے محجوب رہنے والے تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں ۔ بتلا اس علم سے کیا فائدہ جس پر عمل نہیں اور اس عمل سے کیا فائدہ جس میں اخلاص نہیں اور اخلاص کا حاصل کرنا آسان کام نہیں ۔ وہ لفظوں کے یاد کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ۔ اخلاص ایک خطرناک راستے کے اس پار کنارے پر ہے ۔ اب بتلا تجھے عمل کے لئے کون اٹھائے گا ۔ ریا کے زہر کا کون علاج کریگا ۔ جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص حاصل ہونے کے بعد تجھے بے خوف و خطر راستہ کون بتلائیگا ۔ کیا درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے ہرگز نہیں ۔ جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ۔ فاسئلو اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون ۔ تجھ کو تیرے اس حجاب ہی نے روکا ہے کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے ۔ تجھ کو تیرے دعوی علم نے ہی تباہ کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اے اللہ میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اب بتلا جس علم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ذکر کرنا کہاں زیبا ہے ۔ (البنیان المشید)

ملفوظ حضرت تھانویؒ

فرمایا کہ مجھے پیر جیون والی درویشی نہیں آتی میں تو ایک طالب علم ہوں ۔ مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں مجھے تو سیدھا سادہ قرآن وحدیث ہی آتا ہے ۔ اور میں تو اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں نیز علماء کی اشد ضرورت ہے کہ انہیں کے وجود باوجود پر دین کا دارومدار ہے بلکہ صوفیاء سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انہیں کی بدولت انتظام دین قائم ہے ورنہ کسی کو احکام دین اور ان کے حدود ہی کا پتہ نہ چلے تو درویشی تو اس کے بعد کی چیز ہے ۔ میرے قلب میں محبت تو درویشوں کی زیادہ ہے مگر عظمت علماء کی ہے ۔ اور حضرات صوفیاء کا تو ادب بڑے بھائی کا سا اور حضرات فقہاء کا ادب باپ کا سا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی حضرات صوفیاء کے ساتھ چھوٹے بچوں کا سا معلوم ہوتا ہے اور حضرات فقہاء کے ساتھ بڑے لڑکے کا سا کہ حرکتیں تو بچہ کی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس کو بہت سی باتوں میں غیر مکلف ہی سمجھا جاتا ہے لیکن کام بڑے لڑکے ہی سے لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرات فقہاء کو جزائے خیر مرحمت فرمائے دین کی بڑی ہی خدمت کی ہے اور امت کے لئے دین کا راستہ بالکل صاف فرماگئے ہیں ورنہ تاریک رہتا ۔ قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے ایسے ایسے اصول مقرر فرماگئے ہیں کہ قیامت تک کے لئے کافی ہوگئے ہیں ۔ اور کوئی کیسی ہی صورت پیش آئے اس کا حکم انہیں اصولوں پر بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے ۔ بس دو جماعتیں امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہیں ۔ حضرات فقہاء اور حضرات صوفیاء ۔ یہ حضرات حکمائے امت ہیں ۔

ایک بار حضرت نے فرمایا گو اپنی مثال دینا برا ہے لیکن کیا کروں بضرورت کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں دیکھتے کہ میری کسی حالت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مجھے درویشی سے بھی کوئی تعلق ہے ۔ حالانکہ جو اتنے لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں تو آخر وہ تو کچھ مجھے سمجھتے ہونگے ۔ بس زیادہ سے زیادہ دیکھنے والوں کو خیال ہوسکتا ہے کہ ایک پڑھا لکھا ۔ ایک عاقل، بالغ اور ایک مدبر، ایک منتظم، ایک فلسفی شخص ہے ۔ درویشی سے اس کو تو دور کا بھی تعلق نہیں معلوم ہوتا ۔ بس اسی طرح کیوں نہ رہا جائے ۔ (آثر حکیم الامتؒ)

افاضات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

و دیگر خلفائے عظام حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ

جب درویشاں کلید جنت است
دشمنی ایشاں سزائے لعنت است

بابا فرید عطارؒ

۱

درجات عالیہ کا ترتب علم مع العمل پر ہے

آپ حضرات نرے علم پر ناز کئے ہوئے بیٹھے ہیں اور فضائل و درجات عالیہ علم کا مستحق اپنے کو سمجھتے ہیں اور موقع بے موقع عوام کے سامنے فضل العالم علی الجاہل کفضلی علی ادناکم پڑھ دیا کرتے ہیں ۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ فضائل کون سے علم کے ہیں ۔ مطلق علم کے یا علم مع العمل کے ۔ اگر عالم بے عمل کے لئے وعیدیں کتاب و سنت میں نہ ہوتیں تو تمہارا ناز کسی درجہ میں تسلیم کیا جاتا اور جبکہ تم خود وعیدیں علماء سوء کی دیکھتے ہو تو نفس علم کیسے باعث فخر آپ کے نزدیک ہے یاد رکھو ایسا علم حجۃ اللہ علی العبد ہے ۔

للہ اس ناز کو چھوڑو عمل میں کوشش کرو

بعض طالب علموں کا خیال ہے کہ ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں جب پڑھ لیں گے تو اس وقت عمل کرینگے یہ خیال بالکل غلط ہے جس گناہ کو تم آج نہیں چھوڑ سکتے ہو اور جس طاعت کو اس وقت اختیار نہیں کر سکتے اور نفس پر تم کو قابو نہیں کل بطریق اولی تم سے عمل نہ ہو سکے گا بلکہ آج عمل کرنا سہل ہے اس لئے جس قدر مدت گذریگی نفس کے اندر اخلاق رذیلہ زیادہ متمکن ہونگے ۔

خام خیالی چھوڑو

اور دوسرے یہ کہ اس وقت تمہارا علم تازہ ہے جب ابھی اس کا اثر نہ ہوا تو آئندہ کو

کیا ہو گا گو ممتنع تو نہیں لیکن دشوار ضرور ہو گا اس لئے یہ خیال خام چھوڑو اور جو کچھ پڑھتے جاؤ ساتھ ساتھ عمل کرتے رہو اور اگر بد عملی کی یہی حالت رہی اور اسی حالت میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے اور مخدوم بن کر کہیں رہے تو لوگوں پر آپ کے اعمال کا برا اثر پڑیگا ۔ اس کا گناہ بھی آپ ہی کو ہو گا اور عوام الناس کی جس قدر شکایتیں اور الزامات علماء پر ہیں وہ اس بد عملی کی بدولت ہیں اور عمل کرنے سے میری مراد صرف نماز اور روزہ اور بہت سی نفلیں مراد نہیں ہیں ۔ نماز روزہ تو بفضلہ تعالی آپ لوگ کرتے ہی ہیں بلکہ میرا روئے سخن بیشتر اخلاق کے متعلق ہے تکبر تحاسد غیبت تباغض خصوصی معاصی قلب کے اور معاصی نگاہ کے ان کو چھوڑو اور ان کے معالجہ کی فکر کرو اور خصوصاً وہ جو احوال کے متعلق ہیں جو خدا تعالی سے خشیت اور محبت اور دین کی محبت اور جن سے نفع تم کو پہونچ رہا ہے ان کی اطاعت اور خصلت اختیار کرو ۔

حرص و طمع کے پاس بھی نہ جاؤ

اور بالخصوص حرص و طمع کے پاس بھی نہ جاؤ اس سے دنیا داروں کی نظر میں آپ لوگوں کی بڑی سبکی ہوتی ہے اس لئے جہاں ادنی احتمال اس کا ہو وہاں ہرگز نہ جاؤ اور نہ وہ فعل اختیار کرو اگرچہ تم تنگی کی حالت میں ہو بالکل مستغنی رہو مگر استغناء اتنا بڑا نہ ہو کہ لوگ تم کو متکبر سمجھنے لگیں ۔ میرا مقصود یہ ہے کہ نہ دنیا داروں سے تملق ہو اور نہ تکبر ، استغنا ہو تو تواضع لئے ہوئے ۔ اگر آپ لوگ اس طرح زندگی بسر کرو گے تو انشاء اللہ تعالی سب کی نظروں میں بھی معزز رہو گے الحاصل اکتساب فضائل کا طریقہ علم و عمل ہے ۔ اگر آپ اس طریقہ پر عمل کریں گے تو آپ فضائل کے مستحق ہو جائنگے ۔

فضائل حاصل کرنیکا طریقہ دو جزو سے مرکب ہے

اب ضرورت اس کی ہے کہ اکتساب فضائل کا طریقہ اور دستور العمل بتلاؤں پس جاننا چاہئے کہ وہ دو جزو سے مرکب ہے اول علم اور دوسرے عمل لیکن علم سے مراد مڈل پاس ہونا یا

انٹر یا بی اے ہونا نہیں اس کو نادان لوگ علم کہتے ہیں اس کو علم کہنے کی مثال ایسی ہے جیسے ہاتھی کی تصویر کو بچے ہاتھی کہتے ہیں بلکہ ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جبکہ وہ صرف الفاظ کے درجے میں ہوں اور عمل اس کے ساتھ نہ ہو علم نہیں کہتے اور ہم کیا نہیں کہتے حق تعالی نے خود ایسے علماء کو جاہل فرمایا ہے ۔چنانچہ علماء یہود کی نسبت ارشاد ہے ۔ **لو کانوا یعلمون** پس مراد علم سے وہ علم ہے جو خوف وخشیت کیساتھ ہو۔ **(از وعظ اسباب الفضائل)**

۲

جس طرح مطلق علم مطلوب ہے اسی طرح اسکی ترقی بھی

جس طرح مطلق علم مطلوب ہے اسی طرح اس کی ترقی اور زیادت بھی مطلوب ہے ۔شاید بعض لوگوں کا خیال ہو گا کہ اس بیان کی بھی کیا ضرورت ہے اس پر تو ہمارا پہلے سے خود ہی عمل ہے کیونکہ ہم کتابیں پڑھتے چلے جاتے ہیں اور ہر فن میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد کتابیں پڑھتے ہیں تو ہم زیادت فی العلم پر خود ہی عامل ہیں اور اس کو مطلوب بھی سمجھتے ہیں مطلوب نہ سمجھتے تو عمل کیونکر کرتے اس کا اصلی جواب تو یہ ہے کہ زیادت علم کی دو قسمیں ہیں ۔ایک زیادت صورت علم کے متعلق ہے ۔ایک حقیقت علم کے متعلق اور جس زیادت پر آپ کا عمل ہے وہ صورت علم کی ترقی ہے ۔ حقیقت علم کی ترقی نہیں ہے ۔کیونکہ کتابیں زیادہ پڑھنے سے حقیقت علم کی زیادت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے دوسرے اسباب ہیں ۔جو آئندہ معلوم ہونگے جن سے آپ کو بے توجہی ہے اس لئے یہ سوال متوجہ ہی نہیں ہوتا لیکن میں تبرعاً سوال کو وارد مان کر جواب دیتا ہوں کہ جس چیز کو آپ زیادت فی العلم سمجھے ہوئے ہیں وہ زیادت نہیں ہے۔

کیونکہ آپ نے زیادت فی العلم کو ایک مقدار محدود میں منحصر کرلیا ہے ۔حالانکہ زیادت کے لئے کوئی حد نہیں بلکہ وہ ایک غیر متناہی چیز ہے نہ بمعنی غیر متناہی بالفعل جس کا وجود محال ہو

بلکہ لاتقف عند حد ۔ اب غور کیجئے کہ کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آپ کو کونسی زیادت مطلوب ہے ظاہر ہے کہ نصاب کی حد تک ترقی مطلوب ہے اس کے بعد اکثر لوگ بے فکر ہی نہیں بلکہ اپنے کو صاحب کمال اور مستغنی عن الطلب سمجھنے لگتے ہیں ۔

زیادتِ فی العلم میں کون مشغول ہوتا ہے

اس کے بعد زیادت فی العلم میں کون مشغول ہوتا ہے درسیات سے فارغ ہونے کے بعد حالت یہ ہے کہ جن کی استعداد خراب ہے وہ پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیتے ہیں ۔ پھر بعض تو ذکر وشغل میں مشغول ہوجاتے ہیں اور بعض وعظ گوئی اختیار کرلیتے ہیں کیونکہ ان میں حظ نفس ہے ۔ایک میں حظ نفسانی بواسطہ حظ جسمانی کے ہے اور ایک میں حظ نفسانی بلاواسطہ حظ جسمانی کے ہے وعظ میں تو حظ نفسانی بواسطہ جسمانی کے ہے کہ لوگ واعظ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں ۔ جسمانی اور مالی خدمت کرتے ہیں عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی ہیں اور قیمتی سواری ملتی ہے ۔ کہیں موٹر کہیں فٹن کہیں فرسٹ کلاس کا درجہ ۔اور ذکر و شغل میں حظ نفسانی بلاواسطہ جسمانی کے ہے کیونکہ بعض لوگ ذکر وشغل میں اس لئے مشغول ہوتے ہیں کہ ان کو جاہ مطلوب ہے کہ صوفی بزرگ بن کر ملک القلوب حاصل ہوجائے ۔ یہ تو حظ نفس ہے حظ جسمانی کا واسطہ اس میں اس لئے نہیں ہے کہ ذکر وشغل میں مشغول ہونے کے ساتھ ان کو مجاہدات کرنا پڑتے ہیں تقلیل طعام ومنام کرنا پڑتی ہے بلکہ بعض تو جاہ حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ تکالیف جسمانیہ برداشت کرتے ہیں کہ ایک ہی وقت کھانا کھاتے ہیں اور موٹا کپڑا پہنتے ہیں تاکہ لوگ ان کو تارک الدنیا اور زاہد سمجھیں یہ تو غیر مخلصین کا حال ہے اور جو مخلص ہیں وہ حظ نفس کے طالب تو نہیں مگر حظ نفس سے خالی وہ بھی نہیں ہیں کیونکہ ذکر وشغل میں بعض ایسی چیزوں کو مقصود سمجھے ہوئے ہیں جو واقع میں مقصود نہیں بلکہ حظوظ نفس میں داخل ہیں ۔گو یہ مخلصین ان کو حظوظ نفس نہیں سمجھتے مگر چونکہ وہ واقع میں حظوظ نفس ہیں اور یہ ان کے طالب ہیں اس لئے من حیث لایدری یہ بھی طالب حظ نفس ہوجاتے ہیں ۔

مثلاً ذکر شغل میں جو لذت آتی ہے اکثر ذاکرین اس لذت کے طالب ہیں اور اس لذت کو روحانی سمجھ کر مقصود سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ لذت اکثر نفسانی ہوتی ہے اور گو یہ لذت بھی مضر نہ ہو بلکہ کسی درجہ میں محمود ہی سہی مگر مقصود بھی نہیں کیونکہ محمود ہونا مقصود ہونے کو ملتزم نہیں اور جو طلبہ غیر مخلص ہیں ان کا تو پوچھنا کیا یہ تو ان کا ذکر تھا جو خوش استعداد نہیں کہ وہ زیادہ تر اپنی بداستعدادی کی وجہ سے ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں اور زیادت فی العلم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں

خوش استعداد طلباء کا حال

اور جو خوش استعداد ہیں ان کی انتہا یہ ہیکہ وہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو ضروری سمجھتے ہیں ان کی زیادت اسی میں منحصر ہے کہ درسیات ہی ساری عمر پڑھاتے رہیں گے پھر ان میں بھی بعض کا مقصود تو محض تنخواہ ہے اور بعض کا مقصود یہ ہیکہ ہم کو تعلیم علم کا ثواب ملے گو اس کے ساتھ تنخواہ بھی ملتی رہے ۔

ہر تنخواہ اجرت نہیں

کیونکہ ہر تنخواہ اجرت نہیں بلکہ بعض تنخواہ احتباس بھی ہوتی ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور رزق القاضی وغیرہ ہاں اجرت اور نفقہ میں ایک فرق ہے وہ یہ ہیکہ تنخواہ میں تعین ہوتا ہے اور نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدر ضرورت استحقاق ہوتا ہے زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر کبھی نفقہ زوجہ میں بھی فرض جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں اس تعین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکل جاتا چنانچہ نفقہ زوجہ فرض قاضی کے بعد بھی نفقہ ہی رہتا ہے اسی طرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعلیم سے وہ تنخواہ اجرت تعلیم نہ ہوگی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہیگی۔

اجرت اور نفقہ میں فرق اور اس کا معیار

مگر اب دیکھنا یہ ہیکہ کس کی تنخواہ تو اجرت ہے اور کس کی تنخواہ نفقہ ہے ۔ کیونکہ محض

الفاظ کو سن کر دعوی کر لینا اور اپنی تنخواہ کو نفقہ میں داخل کر لینا تو آسان ہے مگر حقیقت کا مصداق بننا آسان نہیں ۔

وجائزة دعوى المحبة في الهوى
ولكن لايخفى كلام المنافق

زبان سے تو دعویٰ محبت سب کو آسان ہے سچ مچ عاشق ہونا بہت مشکل ہے ۔ اسی طرح زبان سے یہ کہدینا تو بہت آسان ہے کہ ہم تنخواہ نہیں لیتے بلکہ نفقہ لیتے ہیں مگر اس حقیقت کا مصداق بننا آسان نہیں ہے ۔ اس کے لئے کسی حقیقت شناس کو اپنی نبض دکھاؤ اگر وہ کہدے کہ واقعی تمہاری تنخواہ نفقہ ہے تو پھر آپ کی حالت مبارک ہے اسی طرح ملکہ یادداشت والوں کو چاہئے کہ کسی محقق کے سامنے اپنی حالت پیش کریں اگر وہ کہدے کہ تم واصل ہوگئے ہو تو پھر اس نعمت کا شکر کرو ۔ ورنہ محض اپنے علم پر اعتماد نہ کرو اور نہ دو چار جاہلوں کے بزرگ سمجھنے اور بزرگ کہنے سے دھوکہ کھاؤ ۔ صائب نے کیا خوب کہا ہے ؟

بنا صاحب نظر گوہر خودرا
عیسی نتوان گشت بتصدیق خرِ چند

خدائے تعالی سے معاملہ ہے اس میں گفتگو و بحث بیکار ہے

تنخواہ سے متعلق ایک معیار میرے ذہن میں ہے ۔ اس کو عرض کرتا ہوں ۔ اگر کسی کے ذہن میں کوئی اور معیار ہو تو بہت اچھا ہے اور اپنے معیار سے اجرت اور نفقہ میں فرق کر لیں خدا تعالی سے معاملہ ہے ۔ اس میں گفتگو اور بحث فضول ہے میرے نزدیک اجرت اور نفقہ میں فرق کا معیار یہ ہے کہ :

جو مدرس تنخواہ لیکر پڑھا رہا ہو وہ یہ سونچے کہ اگر کسی جگہ سے زیادہ تنخواہ آجائے مثلاً یہاں پچیس روپے مل رہے ہیں دوسری جگہ پچاس روپے پر ان کو بلایا جائے اور پچیس روپے میں بھی ان کا کام چل رہا ہے مگر کام چلنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دس چھٹانک گھی روزانہ کھاسکتے ہوں اور دو روپے گز کا کپڑا پہن سکتے ہوں بلکہ مطلب یہ ہیکہ پچیس روپے میں تالم نہ ہو گو تنعم بھی نہ ہو نیز دوسری جگہ دین کا نفع بھی یہاں سے زیادہ نہ ہو پھر دیکھنا چاہئیے کہ اس حالت میں دوسری جگہ دونی تنخواہ پر جاتا ہے یا نہیں اگر نہیں جاتا ہے تو واقعی اس کی تنخواہ نفقہ ہے ۔

یہ کرایہ کا ٹٹو ہے گو گناہ اس میں بھی نہیں

اگر چلا گیا تو اجرت ہے اور یہ کرایہ کا ٹٹو ہے گو گناہ اس میں بھی نہیں کیونکہ متاخرین کا فتوی جواز پر ہے ۔ مگر اس کی تعلیم و تدریس میں ثواب بھی کچھ نہیں کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں غایت مافی الباب ایک عمل مباح ہے جس پر اجرت لینا متاخرین کے فتوے میں جائز ہے گو فی نفسہ تعلیم دین طاعت تھی ۔ مگر چونکہ اس کی نیت تعلیم دین کی نہیں بلکہ مقصود اجرت ہے اس لئے لکل امرء مانوی کے قاعدے سے یہ ثواب کا مستحق نہیں البتہ ایک جگہ تنخواہ اس قدر قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گزر ہوتا ہو یا گزر تو ہو جاتا ہے مگر وہاں کوئی دوسری قسم کی تکلیف ہو جیسے باہمی رقابت اور تحاسد و تباغض وغیرہ یا اسی کے مثل اور کوئی کلفت ہو اس صورت میں دوسری جگہ جانا مذموم نہیں ۔ کیونکہ اس کا مقصود زیادہ تنخواہ نہیں بلکہ رفع تالم مقصود ہے یا ایک جگہ تنخواہ بھی قلیل ہے اور دین کا کام بھی اس کے ہاتھ سے یہاں کم ہو رہا ہے اور دوسری جگہ تنخواہ بھی زیادہ ہے اور دین کا کام بھی اس کے ہاتھ سے زیادہ ہوگا اس صورت میں بھی دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں ۔ بلکہ مقصود یہ ہو کہ میں وہاں جاکر دین کا کام زیادہ کروں گا خدا تعالی سے معاملہ ہے اس میں اپنی نیت دیکھ کر خود فیصلہ کرلینا چاہئیے ۔ لوگوں کے سامنے توجیہیں کر کے اگر آپ نے یہ ثابت بھی کردیا کہ ہماری تنخواہیں نفقہ ہیں اجرت نہیں تو خدا تعالی کے یہاں یہ توجیہیں کام نہ دیں گی ۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو لوگ خوش استعداد ہیں اور وہ

درسیات سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم و تدریس ہی میں لگے رہتے ہیں ان میں بھی سب کا مقصود زیادت فی العلم نہیں بلکہ بعض کو تو محض تنخواہ ہی مطلوب ہوتی ہے اور بعض کو طلبہ میں شہرت مطلوب ہوتی ہے ۔ تعلیم و تدریس میں نام ہو جائے اور عالم متبحر اور لائق مدرس مشہور ہو جائیں اور گو بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کا مقصود علمی ترقی اور زیادت فی العلم ہے مگر ایسا شخص ایک ہی نکلے گا دس جماعتوں سے اور نادر کالعدم ہوتا ہے اس لئے میرا مضمون پھر بھی قابل اہتمام کے رہا جس میں شکایت کر رہا ہوں ہم لوگ زیادت فی العلم کو مقصود نہیں سمجھتے اس لئے اس کے طالب بہت تھوڑے ہیں اور پھر یہ قلیل افراد بھی طالب زیادت علم محض صورت کے اعتبار سے ہیں یعنی یہ صورت علم میں زیادت کے طالب ہیں ۔ حقیقت علم میں زیادت کے یہ بھی نہیں کیونکہ حقیقت علم سے تو عموماً اذہان ہی خالی ہیں پھر اس کے طالب کیونکر ہوں ۔

علم حقیقی کا تعین جس کی زیادتی مطلوب ہے

اب میں حقیقت علم اول تعین کر دوں پھر آیت کو اس پر منطبق کر دونگا اس سے حقیقت علم میں زیادت کا مطلوب ہونا کس طرح مفہوم ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے میں اجمالاً زیادت فی العلم کے مقصود ہونے کی دلیل بیان کرتا ہوں ۔

حق تعالی سورہ طٰہٰ میں فرماتے ہیں وقل رب زدنی علما اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امر ہے کہ آپ زیادت فی العلم کے لئے ہم سے دعا کیجئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے جب آپ کو بھی زیادت فی العلم کا امر ہے تو ہم جیسوں کو تو کیوں نہ ہوگا ۔ جن کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا اب میں ان آیات سے بھی جن کی میں نے تلاوت کی ہے اس مضمون کو ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے ایک مقدمہ سمجھنا چاہئیے کہ ہدایت اور علم میں کیا تعلق ہے ۔ آیت جو حقیقت علم کی ہے وہی ہدایت کی ہے یا علم ہدایت کا غیر ہے ہدایت کے معنی طلبہ کو خوب معلوم ہیں کہ اس کے معنی اراءۃ

الطریق (راستہ بتلانا) ہیں اور بعض نے اس کو اراءۃ وایصال الی المطلوب میں مشترک بھی کہا ہے مگر بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ ہدایت اراءۃ اور ایصال میں مشترک نہیں ہے بلکہ ایصال بھی اراءۃ ہی کا ایک فرد ہے پس یوں کہنا چاہیئے کہ ہدایت کے معنی اراۃ طریق ہی ہیں مگر اراءۃ کے دو صورتیں ہیں ایک اراءۃ من بعید دوسرے اراءۃ من قریب اراءۃ من قریب کو ایصال کہتے ہیں اس کے بعد سمجھئے کہ اراۃ افعال ہے رویت کا اور طلبہ کو معلوم ہے کہ رویت کی دو قسمیں ہیں رویت بصر اور رویت قلب اگر ہدایت حسی ہے تو اراۃ بصر مراد ہے اور ہدایت معنوی ہے تو رویت قلب مراد ہے اور رویت قلب علم ہے پس ہدایت کا حاصل علم کے قریب ہے ۔ کیونکہ ہدایت معنوی علم کو مستلزم ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالی کی ہدایت اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی ہدایت حسی نہیں ہے بلکہ معنوی ہے پس یہ ہدایت یقیناً علم سے متوافق اور متقارب ہے تو اگر قرآن میں کسی جگہ سے زیادت فی الھدیٰ مطلوب ہونا معلوم ہوگا اس سے زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہوگا ۔

حقیقت علم کیا ہے

حقیقت علم وہ ہے جو تقوی سے بڑھتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ تقوی سے صورت علم میں زیادت نہیں ہوتی یہ نہیں ہوسکتا کہ تقوی سے مدارک اور بیضاوی ختم ہوجائے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور چیز ہے جو صورت علم کے علاوہ ہے جو تقوی ہی سے بڑھتی ہے کتابوں سے حاصل نہیں ہوتی یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو محض صورت علم میں زیادت کے طالب ہیں اور حقیقت علم سے غافل ہیں اب رہا یہ کہ وہ حقیقت علم ہے کیا چیز اس کو تعین کرنا چاہیئے تو جن لوگوں کی نظر حدیثوں پر ہے وہ اس کو جانتے ہیں ۔

حضرت علیؓ کو خاص علوم عطا کیئے جانے کی روایت من گھڑت ہے

بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے بعض لوگوں نے ان کے زمانے

میں مشہور کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں ۔ جو دوسروں کو نہیں بتلائے گئے ۔ غضب یہ ہے کہ تصوف کی بعض کتابوں میں بھی لکھ دیا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوے ہزار علوم عطا کئے گئے تھے ۔ تیس ہزار تو عام کردئے گئے اور تیس ہزار خواص کو بتائے گئے اور تیس ہزار خاص حضرت علی کو عطا ہوئے اور اس کے متعلق ایک لمبا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو وہ خاص علوم بتلادیں تو تم کیا کروگے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوب عبادت کرونگا اور جہاد میں کوشش کرونگا ۔ آپ نے فرمایا تم ان کے اہل نہیں (نعوذ باللہ) ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں دوسروں کو ہدایت کرونگا اور کفار پر سختی کرونگا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی اس کے اہل نہیں پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور انہوں نے بھی کچھ ایسا ہی جواب دیا وہ بھی اہل نہ نکل سکے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پوچھا انہوں نے کہا میں مخلوق کی ستاری کرونگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم اس کے اہل ہو پھر ان کو تیس ہزار علوم عطا ہوئے کسی نے خوب فرصت میں بیٹھ کر گھڑی ہے ۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ معراج میں جو باتیں حضور صلی اللہ علیہ سے ہوئی تھیں کیا تم ان کو سن رہے تھے جو تم کو ان کی مقدار بھی معلوم ہوگئی ۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالی نے کیا باتیں کی تھیں تو انہوں نے خوب جواب دیا

اکنون کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

غرض کہ حضرت علیؓ کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ان کی حیات ہی میں ہوگیا تھا کہ ان کو کچھ خاص علوم عطا ہوئے ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ معارف و حکم حضرت علیؓ کی زبان سے بہت ظاہر ہوتے تھے اس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا ۔

حضرت علیؓ کی تردید

پھر بعض نے خود حضرت علیؓ سے اس کو دریافت کیا کہ هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئ دون الناس آپ نے دو جواب دیے ہیں ایک جواب قال لا الا مافی هذه الصحيفة دوسرا جواب قال ماخصنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الا فهما اوتيه الرجل فى القرآن ۔۔۔۔ حاصل جواب کا یہ تھا کہ جو علوم مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان کا منشا یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ خاص علوم دوسرے مسلمانوں سے الگ بتلائے ہیں بلکہ اس کا منشاء خاص فہم ہے جو حق تعالی نے مجھے قرآن یعنی دین میں عطا فرمایا ہے یہی حقیقت علم ہے جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے ۔ وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فقيه واحد اشد على الشيطن من الف عابد اس سے درسی فقہ مراد نہیں کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ وہ معرفت ہے جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے جس سے عارف کی سمجھ بوجھ ایسی کامل ہوجاتی ہے کہ شیطان کے تاروپود توڑ دیتا ہے ۔ شیطان بعض دفعہ دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے عارف اس دھوکہ کو سمجھ کر لوگوں میں ظاہر کردیتا ہے ۔ جس سے لوگ دھوکہ سے بچ جاتے ہیں اس لئے وہ شیطان پر گراں ہے اسی علم کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہے من يرد الله خيرا يفقهه فى الدين یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں نحن امة اميون لانكتب ولا نحسب بتلایئے صحابہ نے کیا لکھا پڑھا تھا کچھ بھی نہیں بلکہ بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کرسکتے تھے اور بعض صحابہ فتاویٰ کو تابعین کے حوالے کردیتے تھے مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے چنانچہ عبد اللہ ابن مسعودؓ صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں اعمقهم علما آخر وہ کونسا علم تھا درسی و کتابی علم ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جن میں ان کے تقوی سے ترقی ہوتی رہتی تھی ۔ اور یہی وہ علم ہے جس کے

متعلق امام شافعی کا قول :-

شكوت الى وكيع سوء حفظى
فاوصانى الى ترک المعاصى

آخر وہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم ہے ہرگز نہیں کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہیگا ایک فاسق فاجر کو بڑے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہوسکتا ہے بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل واحادیث یاد ہوجائیں ۔

بعضے عیسائی حدیث وفقہ کے ماہر ہیں

چنانچہ بیروت میں بعضے عیسائی ہماری احادیث اور فقہ کے بڑے جاننے والے ہیں ۔ اور جرمن کے ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے کہ وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے کسی کمرے کا نام دار الفقہ ہے کسی کا دار الحدیث ہے ۔ وہاں بخاری ہدایہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں پڑھنے والے پڑھانے والے سب کافر ہیں ۔ اور عیسائی اور وہ لوگ اختلافات کو بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں کیونکہ جرمن میں کتب خانہ بڑا ہے اس میں ہماری نایاب کتابیں اس قدر ہیں کہ ہم نے ان کتابوں کا نام بھی نہیں سنا ۔ تو امام شافعی کی مراد کتابی علم میں سوء حفظ کی شکایت نہیں امام وکیع کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علم میں قلت حفظ کی شکایت کررہے تھے ۔ جس میں معاصی کو دخل تھا یہی حقیقت ہے حقیقت علم اور یہی چیز وہ ہے جس کی وجہ سے مجتہدین مجتہد ہوئے ہیں ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں ۔ خوب کہا ہے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دل بری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک ترزمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

بس اس سے زیادہ پتہ میں اس حقیقت کا نہیں بتلاسکتا ظاہر میں تو چھوٹا سا لفظ ہے فہما او تیہ الرجل فی القرآن مگر یہ فہم کیا چیز ہے اور کس درجہ کی ہوتی ہے اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں بس اس کے سمجھنے کا طریقہ یہی ہیکہ تقوی اختیار کر کے دیکھ لو۔ الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہوسکتی۔

پرسید کسے کہ عاشقی چیست
گفتم کہ چو ما شوی بدانی

امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آتی

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آتی۔ دیکھو اگر کسی نے آم نہ کھایا ہو اور تم اس سے آم کی تعریف کرو تو ایسا لذیذ اور میٹھا ہوتا ہے تو وہ کہیگا گڑ جیسا ہوتا ہے تم کہوگے نہیں وہ کہیگا شکر جیسا یا انگور اور انار جیسا تم کہوگے نہیں پھر اصرار کریگا کہ بتلاؤ کیسا ہوگا تم یہی کہوگے کہ بھائی ہم کو اس کے بیان پر قدرت نہیں ایک دفعہ کھا کر دیکھ لو خود معلوم ہوجائیگا اس وقت اس شخص کو تعجب ہوگا اور اس بات کا یقین نہ کریگا کہ بیان پر قدرت نہیں مگر جب کھائیگا تو اب وہ بھی بیان پر قادر نہ ہوگا تو یہ بات کچھ کمالات حقیقیہ ہی کیساتھ نہیں بلکہ محسوسات میں بھی جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ سے بیان نہیں ہوسکتی۔ ایک ترکی امیر کا قصہ ہے اس کی مجلس میں مطرب (گویا) ایک غزل پڑھ رہا تھا جس کے اشعار میں نمی دانم بار بار آتا تھا مثلاً

گلی یا سوسنی یا سرویا ماہی نمی دانم
ازیں آشفتہ بیدل چہ میخواہی نمی دانم

وہ ترک شراب پیے ہوئے تھا ایک دو شعر اس نے سنا جب اس نے بار بار نمی دانم نمی دانم کا اعادہ کیا تو اس نے ایک گھونسہ مارا کہ این نمی دانی چہ گوئی آنچہ می دانی بگو یعنی جس بات

کو نہیں جانتا اس کو بار بار کیوں دہراتا ہے۔ جو جانتا ہے وہ کہہ۔ یہ قدر کی اس نے شعر کی تو کیا بات تھی اس کو شعر کا ذوق نہ تھا اگر ذوق ہوتا تو مست ہوجاتا لیکن جس کو شعر میں مزہ آتا ہے اس سے ذرا پوچھیے تو شعر میں کیسا مزہ ہوتا ہے۔ بس یہی کہیگا کہ بیان پر قدرت نہیں ذوق حاصل ہونے سے پہلے تو آپ کو یقین نہ آئیگا مگر ذوق حاصل ہونے کے بعد یہی کہینگے۔

ٹیڑھی کھیر کا قصہ

اور اگر کوئی کمالات حقیقیہ کو الفاظ میں سمجھنا اور سمجھانا بھی چاہے تو وہ ٹیڑھی کھیر کا سا قصہ ہوگا کہ ایک لڑکا ایک مادر زاد اندھے حافظ جی کے پاس آیا اور کہا حافظ جی دعوت ہے کہنے لگے کیا کھلاؤگے اس نے کہا کھیر۔ پوچھا کھیر کیسی ہوتی ہے۔ لڑکے نے کہا سفید ہوتی ہے۔ حافظ جی نے سفید اور سیاہ کو کب دیکھا تھا پوچھا سفید کسے کہتے ہیں لڑکے نے کہا جیسے بگلا پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے۔ لڑکے نے ہاتھ موڑ کر بتلایا کہ ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا بھائی یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے جا میں دعوت نہیں کھاتا یہ تو میرے گلے میں اٹک جاویگی دیکھئے چونکہ کھیر کے اوصاف ذوقی چیز تھے اس لئے الفاظ سے سمجھ میں نہیں آئے ہرگز نہیں آسکتے تھے اور کہاں سے کہاں نوبت پہونچ گئی بس اس کا سیدھا جواب یہ تھا کہ حافظ جی ایک لقمہ منہ میں ڈال کر دیکھو خود معلوم ہوجائیگا کہ کیسی ہوتی ہے بس یہی میں کہتا ہوں کہ حقیقت علم جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے الفاظ سے آپ اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔ بس تقوی اختیار کر کے دیکھ لو۔ ہاں پتہ بتلانے کے لئے اتنا کہتا ہوں۔ حقیقت علم جس کو حاصل ہوتی ہے اس کے قلب پر غیب سے وہ علوم وارد ہوتے ہیں جو کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

علم چوں برتن زنی مارے شود
علم چوں بردل زنی یارے شود
بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ علوم وہبی ہیں کسبی نہیں اسی کے متعلق ایک روایت میں آیا ہے کہ من عمل بما علم به علمه الله مالم يعلم

کثرت معلومات علم نہیں

آج کل لوگوں نے کثرت معلومات کو علم سمجھ لیا ہے حالانکہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ مولانا قاسم صاحبؒ سے علم اور معلومات کا عجیب فرق منقول ہے۔ ایک مرتبہ مولانا نے فرمایا لوگ حاجی صاحبؒ کے معتقد ہوئے زہد وتقوی سے یا کثرت عبادت سے یا کرامات سے اور میں معتقد ہوا علم سے۔ اس پر لوگوں کو حیرت ہوئی کہ حاجی صاحب میں تو اتنا علم کہاں تھا جس سے مولانا معتقد ہوجاتے۔ ظاہر میں تو حاجی صاحب سے مولانا کا علم بڑھا ہوا ہے حاجی صاحب نے کافیہ ہی تک پڑھا تھا مگر علم کی حالت یہ تھی کہ کافیہ پڑھنے ہی کے زمانے میں حاجی صاحب مشکوۃ شریف کے درس میں بھی بیٹھ جاتے تھے جو مولوی قلندر صاحب جلال آبادی کے یہاں ہوتا تھا۔ درس کے بعد کسی حدیث کے متعلق اختلاف ہوتا تو حاجی صاحب اس کا مطلب بیان فرماتے بعض دفعہ طلبہ حاجی صاحب سے الجھ جاتے کہ نہیں یہ مطلب نہیں ہے۔ اور تقریر میں آپ کو دبالیتے کیونکہ حاجی صاحب کی عادت مناظرہ کی نہیں تھی مگر جب مولوی قلندر صاحب کو اس اختلاف کی خبر ہوتی تو ہمیشہ حضرت حاجی صاحب کی بات کو صحیح بتاتے تھے اس طرح ایک دفعہ مولانا شیخ محمد صاحب سے مثنوی کے ایک شعر میں اختلاف ہوا حاجی صاحب کے بیان کئے ہوئے کو اس وقت مولانا شیخ محمد صاحب نے نہ مانا مگر ایک بار مثنوی کے درس میں وہ شعر آیا تو مولانا نے وہی مطلب بیان فرمایا حاجی صاحب حجرے میں تھے۔ باہر نکل کر سلام کیا مولانا نے اقرار کیا کہ واقعی میں غلطی پر تھا آخر یہ کیا بات تھی یہ وہی علم حقیقی تھا جو حاجی صاحب کو تقوی کی بدولت عطا ہوا تھا اسی کو مولانا قاسم صاحب فرماتے تھے کہ میں علم کی وجہ سے حاجی صاحب کا معتقد ہوا ہوں لوگوں نے اس کا راز پوچھا۔

علم اور معلومات میں فرق

پھر آپ نے فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہے اور یہ فرق بیان فرمایا کہ دیکھو ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہیکہ یعنی ایک تو وہ شخص ہے

جس نے سیاحت بہت کی ہے مگر اس کی نگاہ کمزور ہے اور ایک شخص نے سیاحت بہت کم کی ہے مگر اس کی نگاہ بہت تیز ہے تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت کی اس کی مبصرات بہت زیادہ ہیں مگر کسی مبصر کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں ہر چیز کو سرسری طور پر یوں ہی دیکھا ہے اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی ہے اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی پوری حقیقت پر مطلع ہوجاتا ہے بس یہی فرق ہے ہمارے میں اور حاجی صاحب میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کے معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے اس کے لئے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں۔ وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہونچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہونچتے اسی فرق کو ایک دفعہ یوں بیان فرمایا کہ ہمارے ذہن میں اول تو مقدمات آتے ہیں پھر ان سے نتیجہ خود نکال لیتے ہیں۔ جو کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔ اور حاجی صاحب کے قلب میں اول نتائج صحیح وارد ہوتے ہیں اور مقدمات اس کے تابع ہوتے ہیں غرض جیسے کثرت مبصرات کا نام ابصار نہیں اسی طرح کثرت معلومات کا نام علم نہیں بلکہ علم یہ ہیکہ ادراک سلیم اور قوی ہو جس سے نتائج صحیحہ تک جلد وصول ہوجاتا ہو یہی ہے حقیقت علم جو فقط پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک سبب دعا ہے جو اھدنا الصراط المستقیم میں مذکور ہے۔ دوسرا سبب تقوی ھدی للمتقین میں مذکور ہے۔

ذکر وشغل، مراقبات زینت تقوی ہے تقوی نہیں

اور تقوی سے مراد یہ نہیں کہ ذکر وشغل اور مراقبات کیا کرو یہ تو زینت تقوی ہے تقوی کی حقیقت اور ہے جس کو خدائے تعالی ہی سے پوچھ لو۔ حق تعالی نے اسی مقام پر تقوی کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے۔ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون۔ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون

اس جگہ حق تعالیٰ نے عقائد اور عبادات بدنیہ و مالیہ اور معاملات کے اصول بیان فرمادئے ہیں ۔پس حاصل یہ ہوا کہ متقی وہ لوگ جو دین میں کامل ہوں ان کے عقائد بھی صحیح ہوں اور عبادات بدنیہ و مالیہ اور معاملات میں بھی کوتاہی نہ کرتے ہوں اور یہی خلاصہ ہے کمال فی الدین کا۔۔۔۔ (از وعظ کوثر العلوم)

۳

العلماء ورثۃ الانبیاء

یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو ہر ذی علم نے بڑی خوشی سے تسلیم کرلیا ہے اور سب کا اتفاق اس وراثت پر ہوگیا ہے اس اتفاق کی وجہ یہ ہیکہ اس مسئلہ کے ماننے میں اہل علم کا نفع ہی نفع ہے وہ یہ ہے کہ اس سے ایک عظیم الشان فخر حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کے مؤنت و مشقت اس میں ہے نہیں اس لئے اپنا لقب وارث قرار دے کر بیٹھ رہے حالانکہ اس میں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی کہ انبیاء علیہم السلام میں کمال علمی کیساتھ کوئی دوسرا کمال یعنی عملی کمال بھی تھا یا نہیں ۔ظاہر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں دیا جائیگا کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام میں بھی کمال عملی نہ مانا جائے تو پھر کس کے اندر مانا جائیگا کیونکہ وہ حضرات افضل المخلوقات ہیں ۔پس یہ کہنا ضروری ہوگا کہ انبیاء میں اس درجہ کمال عملی تھا کہ کسی دوسرے میں ہونا ممکن نہیں ۔

کمال علمی وجہ وراثت نہیں

جب بات ثابت ہوچکی تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وجہ وراثت آیا کمال علمی ہے یا کمال عملی بھی اس میں داخل ہے ہم جو غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جو عالم بے عمل ہیں ان میں کوئی شان مقبولیت کی نہیں پاتے حالانکہ وراثت نبی کے لئے مقبول ہونا ضروری ہے ۔

ابلیس بھی بڑا عالم ہے

مثلاً ابلیس کہ وہ بڑا عالم ہے اور دلیل اس کے عالم ہونے کی یہ ہیکہ وہ علماء کے اغواء کی تدبیر کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی بدل سکتا ہے جو کہ خود ان خیالات میں کم از کم اس کے برابر تو ماہر ہو۔جس کے خیالات بدلنے کی کوشش کی ہے ۔قانون کے سمجھنے میں قانون دان کو وہی شخص دھوکہ دے سکتا ہے جو کہ خود بھی قانون جانتا ہو تو شیطان کا علماء کے اغواء میں کامیاب ہونا صاف بتلارہا ہے کہ وہ بھی بڑا عالم ہے لیکن اس کا جو انجام سب کو معلوم ہے علی ھذا علماء بنی اسرائیل جن کی نسبت انتم تتلون الکتب ارشاد ہے مگر ان کی عاقبت کا ذکر خود قرآن میں مذکور ہے اور جگہ جگہ ان لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے ۔حتیٰ کہ کسی فرقے کی اتنی مذمت قرآن میں نہیں ہے جتنی بنی اسرائیل کی ہے ۔

غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہوسکتا

پس معلوم ہوا کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت نہیں بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بدون عمل کے قبول نہیں ہوتی اور غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہوسکتا ۔اس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نہایت واضح فرمادیا ہے ۔۔۔ فرماتے ہیں العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارو الادرھما ولاکن ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر اس حدیث میں علم کو حظ وافر فرمایا ہے اور علم حظ وافر اس وقت ہوسکتا ہے جب مقرون بالعمل ہو نری صفت علم کو حظ وافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وبال جان ہونا خود حدیث میں مذکور ہے ان من العلم لجھلا اسی طرح کلام مجید میں ارشاد ہے کہ ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق ولبئس ماشروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون تو حدیث میں اس علم کو جہل فرمانا اور آیت میں علموا کے بعد لو کانوا یعلمون فرمانا صاف بتلاتا ہے کہ یہ علم

کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں اور اس سے بھی واضح لیجئے حدیث میں ہے قیامت کے روز ایک شخص کو دیکھا جائیگا کہ اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی ہیں اور وہ انکے گرد گھوم رہا ہے لوگ اس سے اس سزا کا سبب پوچھینگے اور وہ کہیگا میں اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تھا پس ان آیتوں حدیثوں سے اچھی طرح واضح ہوگیا ہے کہ علم بلا عمل حظ وافر نہیں ہوسکتا کیونکہ جو علم عتاب سے نہ بچاسکے وہ حظ وافر کیا ہوگا پس حظ وافر وہ علم ہوگا جو مقرون بالعمل ہو پس وجہ وراثت بھی وہی علم ہوگا جو مقرون بالعمل ہو۔ مطلق علم وجہ وراثت نہ ہوگا۔

محض صفت علم پر ہی ایک ناز پایا جاتا ہے

مگر باوجود اس کے کہ ہم لوگ جو اپنے کو اہل علم کہتے ہیں ذرا اپنے قلوب کو ٹٹول کر دیکھیں تو معلوم ہوگا ہمارے قلوب میں محض صفت علم ہی پر ایک ناز پایا جاتا ہے۔ اور ہم اپنے کو صرف اسی صفت کی وجہ سے بہت بڑا سمجھتے ہیں اور عمل کی کمی سے ہم کو اپنے کمال میں نقص کا شبہ ہی نہیں ہوتا اور یہ ایسا بدیہی امر ہے اس پر کسی قرینے کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہر شخص ذرا غور سے خود معلوم کرسکتا ہے اور اگر قرینے کی ضرورت ہے تو قرائن بھی اس کے موجود ہیں۔ مثلاً ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ باوجود عمل نہ کرنے کے عوام الناس سے اپنے کو برتر سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو ان سے ارفع خیال کرتے ہیں۔

ہماری تعظیم میں کمی پر سخت تعجب ہوتا ہے

چنانچہ اگر عوام الناس ہماری تعظیم میں کمی کردیں تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور بہت غصہ آتا ہے یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ ہم لوگ محض علم کی وجہ سے اپنے کو ارفع سمجھتے ہیں اسی طرح ہم کہیں چلے جارہے ہوں اور کوئی عامی آدمی ہم کو راستے میں ملے تو خود سلام کرنا تو درکنار اس کے سلام کا جواب دینا بھی اپنا احسان سمجھتے ہیں کیوں صاحب کیا قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کی بابت فرحوا بما عندھم من العلم ارشاد نہیں ہوا اور جب یہ ہے تو کیا نرا علم قابل ناز یا فخر

کرنے کے ہوسکتا ہے کبھی نہیں جیسا کہ حدیث میں صاف مذکور ہے کہ ایک علم بندے کے لئے حجت ہے بندے پر تو ایسا علم کیا مایہ ناز ہوسکتا ہے اور ہم جو اپنے کو انبیاء کا وارث سمجھتے ہیں تو کیا ہمارا نرا علم حاصل کرلینا اس وراثت کے لئے کافی ہوگیا ہرگز نہیں۔ چنانچہ ہم لوگ اس مرض میں مبتلاء ہیں خواہ وہ ابتلاء اعتقاداً ہو یا عملاً یا حالاً اور یہ آیت اس خیال کا باطل ہونا بتلارہی ہے۔ اس لئے اس وقت اس آیت کو اختیار کیا گیا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے صفت علم کے اثبات کے بعد شان عملی کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ہم متوجہ ہوں اور غور کریں کہ جن کے ہم وارث بنتے ہیں ان کے کیا کیا اوصاف تھے اور یہی غور کرنا غرض ہے قرآن شریف میں متعدد جگہ انبیاء علیہم السلام کے قصص مذکور ہیں تاکہ ہم غور کریں پس ہم کو متوجہ ہونا چاہئے آیا ہم میں وہی شان عمل پائی جاتی ہے یا نہیں، اگر نہیں پائی جاتی ہے تو وارث کا دعوی ہم کو چھوڑ دینا چاہئے۔

صرف علم ہی کو مقصود اور عمل کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے

ہم میں ایسے بھی افراد ہیں کہ وہ صرف علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کو کوئی چیز نہیں سمجھتے بعض کی حالت تو یہاں تک ناگفتہ بہ ہے کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے بعض ایسے ہیں کہ وہ اس قدر کھلم کھلا تو بے عملی نہیں لیکن اپنی زبان وغیرہ کی حفاظت بھی نہیں کرتے جس جگہ بیٹھینگے لوگوں کی غیبت شکایت کے انبار لگائینگے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہ زبان کی بھی حفاظت کرتے ہیں لیکن وہ نظر کی بالکل حفاظت نہیں کرتے اکثر نامحرموں کو دیکھنا راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاکنا جھانکنا عادت ہوجاتی ہے۔

صاحبو اول تو علم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات عمل ہے دوسرے اگر علم کو مقصود ہی مان لیا جائے تو تب بھی یہ سمجھ لو کہ یہ حالت بد عملی کی تو خود کمال علمی میں حارج ہے۔

تقوی میں کمی علم میں کمی کا سبب ہے

کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ تقوی میں جتنی کمی ہوگی اسی مرتبہ کی کمی علم میں بھی ہوگی۔ اس کا

آسان امتحان یہ ہے کہ دو مہینے کے لئے آپ بالکل متقی بن جائیں اور پھر اپنی پہلی حالت اور اس زمانہ کا تقوی کی علمی حالت میں موازنہ کریں ان دونوں حالتوں میں جو تفاوت ہوگا وہ بتلادیگا کہ تقوی کو اس میں بڑا دخل ہے۔ ممکن ہے کسی صاحب فہم کو یہ خیال ہو کہ ہم متقی بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم کو اچھا خاصہ علم حاصل ہے سو سمجھ لیں کہ علم صرف ترجمہ کرلینے کا یا چند تصدیقات کے حاصل ہونے کے بعد جو ایک ملکہ حاصل ہوجاتا ہے اس کا نام علم ہے سو وہ بالذات اختیاری نہیں یعنی اگرچہ اس کے اسباب کے اختیاری ہونے کے اعتبار سے وہ اختیاری ہو لیکن بدون اسباب کے حاصل کئے ہوئے خود اس کا حاصل ہونا اختیاری نہیں اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب اعظم تقوی ہے کہ بدون اس کو حاصل کئے ہوئے کہ وہ ملکہ حاصل نہیں ہوسکتا امام شافعی کا قول ہے ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم فضل من اله
وفضل اللہ لایعطی لعاصی

یہ مطلب نہیں کہ غیر متقی جلالین بیضاوی پڑھانے پر قادر نہ ہوگا

غرض یہ مطلب نہیں ہے کہ جو متقی نہ ہوگا وہ جلالین یا بیضاوی کے پڑھانے پر قادر نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ بدون تقوی کے وہ خاص ملکہ میسر نہ ہوگا چنانچہ یہ شخص اگر اپنی پہلی حالت اور تقوی کے بعد کی حالت میں غور کریگا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پہلے میرا مبلغ علم کیا تھا اور مہینے دو مہینے کے اندر علم میں کیسی ترقی ہوگئی تو علم اگر مقصود بالذات بھی مان لیا جائے تب بھی اس کے حاصل کرنے کے لئے تقوی کی ضرورت ہے مگر ہم لوگ تو اکثر بے باک ہیں تمام تر انہماک اس میں ہے کہ کسی طرح کتابیں ختم ہوجائیں بہت لوگوں کی ایسی حرکتیں ہیں ان کی وجہ

سے تمام قوم بدنام ہوتی ہے چونکہ ان لوگوں کی عادت ہوگئی ہے لہذا اس کے ساتھ توبہ بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی یعنی بشر سے غلطی ہوہی جاتی ہے لیکن اگر چار دن تقوی ہے اور ایک دن ٹوٹ جائے اور گناہ ہونے پر پھر توبہ کرلی جائے تب بھی اس قدر خراب حالت نہ ہو اور تھوڑے ہی دنوں میں گناہ چھوٹ جائیں گے لیکن بعض لوگوں کو مبالات ہی نہیں رہتی اور اس سے عوام الناس پر برا اثر پڑتا ہے یعنی ان کو یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ علماء ایسے ہوتے ہیں۔ پس اگر خلوص سے تقوی کو اختیار نہ کرلیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کرلیا جائے کہ اس سے عوام الناس بگڑیں گے۔

یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق نہ بنیں

ورنہ ایسے لوگ یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق کہے جاسکتے ہیں کیونکہ روکنا جس طرح مباشرۃ ہوتا ہے کہ زبان سے روکے یا ہاتھ سے روکے اسی طرح تسبب بھی ایک قسم کا روکنا ہے تو اس کو بھی صد عن سبیل اللہ کہا جائیگا۔ کیونکہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے اور اسی معصیت کے ساتھ اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ حتی کہ بعض ایسے امور جو فی نفسہ طاعت ہیں جب کسی معصیت کا سبب بن گئے تو ان کی بھی ممانعت ہوگئی چنانچہ ارشاد ربانی ہے لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم تو دیکھئے بتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور ان کو برا کہنا ایک حد تک طاعت تھا لیکن چونکہ وہ مفضی تھا ایک معصیت کی طرف اس لئے اس سے بھی ممانعت ہوئی۔

معصیت کا تسبب بھی معصیت ہے

پس معلوم ہوا کہ جس طرح معصیت کی مباشرۃ معصیت ہے اسی طرح تسبب بھی معصیت ہے اگر ایک شخص نے عمل نہ کیا تو دیکھنے والوں کے لئے درجہ تسبب میں یصدون کا مصداق بن گیا غرض ترک عمل میں یہ مضرتیں ہیں اس لئے اگر خلوص سے بھی عمل نہ ہو تو کم از

کم دین کی احتیاط اور حفاظت ہی کے لئے ہو۔

عمل ہی کی طرف التفات نہیں

ایک کوتاہی تو یہ کہ عمل ہی کی طرف التفات نہیں کرتے اور کچھ عمل کرتے بھی ہیں تو غضب یہ کیا ہے کہ ہم نے اس میں انتخاب کرلیا ہے اور اپنے اس انتخاب کو کافی سمجھ کر اپنے کو عامل بالشریعت اور دیندار سمجھتے ہیں صاحبو ظاہر ہے کہ حسین وہ شخص کہلائے گا کہ اس کی آنکھ ناک چہرہ سب خوبصورت ہو ورنہ اگر کسی کی آنکھیں تو نہایت اچھی ہوں اور ناک بالکل خراب چپٹی ہو یا برعکس ہو یا دانت باہر نکلے ہوئے ہوں تو وہ حسین نہ کہلائے گا بس اسی طرح دین بھی ایک حسن معنوی ہے تو حسین معنوی یعنی دیندار بھی اسی کو کہینگے جو تمام وجوہ دین و انواع عمل کا جامع ہو اور جس نے ایک کو لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا مثلاً اعمال جوارح کو تو لے لیا اور اعمال قلب اور اعمال لسان کو چھوڑ دیا یا اعمال قلب کو لے لیا اور دوسرے دونوں کو چھوڑ دیا وہ شخص ہرگز اس حسن معنوی کے ساتھ متصف نہ سمجھا جائیگا آج ہم لوگوں میں اکثر افراد جو کچھ بھی عمل کرتے ہیں تو وہ اعمال جوارح مثلاً روزہ نماز حج وغیرہ کرلیتے ہیں ورنہ اکثر تو عمل ہی نہیں کرتے کہ نماز ہورہی ہے اور وہ پڑے سورہے ہیں۔ (از وعظ العمل للعلماء)

۴

علماء غیر کاملین کی دوڑ

جنھوں نے اپنی اصلاح پوری پوری نہیں کی سو ان میں تو یہ مرض ہے کہ ان کو ظاہر کی اصلاح کا اہتمام ہے اور باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں ظاہر ان کا خود بھی درست ہے اور دوسروں کو اس کی درستی کی تعلیم کرتے ہیں وعظ میں ان کے یہ مضامین ہوتے ہیں سود نہ لو رشوت

نہ لو شراب نہ پیو جوا نہ کھیلو جب کسی نے ظاہر درست کرلیا تو ان کی تعلیم یہ ہے کہ اب اس میں کچھ تعرض نہ کرو وہ کمال کو پہونچ گیا اور ثبوت کے لئے پڑھ دیتے ہیں

ہر کرا جامہ پارسا بینی
پارسا دان و نیک مرد انگار

بس ان کی بڑی دوڑ یہ ہے ان کو باطن کی طرف بالکل نظر نہیں اول تو اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ اور اگر ضرورت بھی سمجھیں تو پرواہ نہیں اس ضرورت کو عقیدے کے مرتبہ میں رکھتے ہیں فعل میں نہیں لاتے۔ حالانکہ باطن کے گناہ ظاہر کے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑے اور شدید اور خطرناک ہیں۔

خفیف چیز کا اہتمام ہے شدید کا نہیں

یہ حیرت کی بات ہے کہ خفیف چیز کا اہتمام ہے اور شدید کا اہتمام نہیں ریا، حسد، حب دنیا، بخل، حرص، طمع، غضب، کینہ وغیرہ بڑے بڑے امراض باطنی جس کی نسبت قرآن و حدیث میں نصوص موجود ہیں ان کی طرف توجہ نہیں مجالس میں جب کبھی ذکر ہوتا ہے تو صرف ظاہر کا مگر باطن کی اصلاح اور اس کے حقائق ودقائق کا کبھی ذکر نہیں آتا۔

مولوی صاحبان سے کون کہے

پھر ان مولوی صاحبوں سے کون کہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب پہلے ہی سے انہوں نے لے لیا ہے۔ ذرا کسی نے ٹوکا اور مخالفت رسول کا فتوی لگا۔ (البتہ امام غزالی ہیں ایسے جو کسی کو بھی کہنے سے نہیں چوکتے ان کی کتاب میں دیکھئے کیا گت بنائی ہے ایسے اہل ظاہر کی۔ یہ لوگ بھی اگرچہ ان کے کہنے پر عامل نہ ہوں مگر معتقد ہیں ان کے اور ان کو برا نہیں کہتے مگر ان کی تعلیم پر عمل بھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں یہ تو ایسے مجاہدے بتاتے ہیں کہ ان کے ساتھ زندگی محال ہے) غرض نہ کبھی کسی باطنی مرض کا بیان ہوتا ہے اور نہ کسی خلق محمود کا نہ خشوع کا نہ خضوع کا نہ تواضع کا۔ غرض رذائل باطنی میں مبتلاء ہیں اور فضائل باطنی سے محروم

ہیں صرف ظاہری ظاہر ہے اندر سے خالی۔

اپنے اندر امراض ہونیکا علم ہوتا ہے مگر

اور ان کو علم بھی ہوجاتا ہے اس کا کہ ہمارے اندر امراض موجود ہیں مگر کسی کے سامنے اپنے عیبوں کو بیان نہیں کرتے ۔ کیونکہ اس کے معالج اور اہل فن ٹھیرے درویش اور درویشوں کی صورت ہی بالکل معمولی سی ہوتی ہے وہ ان کی نظروں میں کہاں جچ سکتی ہے ۔ نہ جبہ ہے نہ عمامہ ہے نہ بڑا سالٹھ ہاتھ میں لئے بیٹھے ہیں کٹے پھٹے کپڑے ہیں ۔ ویرانوں میں رہتے ہیں مجمعوں سے دور بھاگتے ہیں متعارف تہذیب اور خاطر داری ان کو آتی ہی نہیں پھر نظروں میں کسی کے آویں تو کیسے آویں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی جیسے شیخ کا قصہ ہیکہ آپ ایک بار تھانیسر تشریف لے گئے وہاں آپ کا ایک مرید تھا جو قوم کا جولاہا تھا ۔ مولانا جلال الدین تھانیسری کے پاس مسئلے پوچھنے جایا کرتا تھا ایک دن شیخ کی نسبت انہوں نے کہا اس جولاہے سے کہ تمہارا نچنیا پیر بھی تو آیا ہے شیخ پر شورش غالب تھی مطلق آواز پر حتی کہ چکی کی آواز پر رقص کرنے لگتے تھے ۔ اہل محبت کی یہی حالت ہوتی ہے ۔

کسانیکہ ایزد پرستی کنند
برآواز دولاب مستی کنند

آج کل لوگ ان کی نقل بناتے ہیں اور سماع کے لئے ان کے فعل سے استدلال کرتے ہیں ۔ اور ان کی سی حالت پیدا نہیں کرتے ان کو مطلق آواز سے حرکت ہوجاتی تھی ۔ یہ دلیل ہے شورش اور محبت کی اور جو شخص مقید ہے کسی خاص قسم کی آواز سے ۔ یعنی گانے بجانے کا اس

پر تو کودتا اچھلتا ہے اور معمولی آواز پر کچھ نہیں ۔

تو یہ دلیل شورش اور محبت کی نہیں اس کے اندر چور ہے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ فاسد اندر ہے جس کو حرکت اپنی لذت یعنی معصیت سے ہی ہوتی ہے کبھی قرآن سن کر ان کو وجد آتے نہ دیکھا ۔ امام حسینؓ کا عاشق اور فدائی تو وہ ہے جس کے حضرت امام کا نام سنتے ہی آنسو آجاویں اور غم کا ساز و سامان اور ڈھونگ بنانے سے تو دشمن کو بھی رونا آتا ہے محبت کو اس میں کیا دخل ہے ایک بزرگ کو پنکھے کی آواز پر وجد آجاتا تھا اور کواڑ کی آواز سے وجد آجاتا تھا درد اس کو کہتے ہیں غرض شیخ پر شورش غالب تھی اور اکثر رقص کیا کرتے تھے مولانا جلال الدین تھانیسری کا یہ لفظ جولاہے کو سخت ناگوار ہوا اور شیخ سے اس کی روایت کیا (چاہئے نہیں ایسی روایت کیونکہ فضول رنج دینا ہے) اور عرض کیا کہ سخت مصیبت نہ ہم وہاں جانا چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ مسائل کی ضرورت ہے اور نہ یہ لفظ سن سکتے ہیں کہیں پھر وہ یہ لفظ نہ کہدیں شیخ نے فرمایا اب کی مرتبہ اگر وہ یہ لفظ کہدیں تو کہدینا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ جولاہے وہاں گیا انھوں نے پھر وہ لفظ کہا جولاہے نے کہا وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں یہ سنتے ہی مولانا جلال الدین پر حالت غالب ہوئی اور ناچنے لگے دور بیٹھے یہ اثر پہنچ گیا پھر مرید ہوئے اور خلیفہ ہوئے غرض جن کی حالت خاکساری کی یہ ہو ان کی طرف وضعدار لوگ کیسے رجوع کریں اس واسطے ایسے علماء درویشیوں کی طرف کم رجوع ہوتے ہیں یہ کوتاہی تو علمائے ظاہر میں ہے اس کی اصلاح یہ ہیکہ ان علماء کو چاہئے کہ مجاہدہ و ریاضت کریں اور درویش بنیں تاکہ دوسرے علماء و طلباء کی اجنبیت اس طریق سے رفع ہو اور یہ لوگ بوجہ مجانست ان سے رجوع کریں کیونکہ ایسے درویش سے جو کہ شہرت سے دور بھاگتے ہیں علماء کو عار ہوتی ہے حالانکہ یہ غلطی ہے علم کا مقتضا تو یہ ہیکہ حقیقت کو دیکھیں نہ عنوان و صورت کو ۔

طالب کو تو چیز ملنی چاہیئے خواہ کہیں سے ملے

جو شخص طالب ہوتا ہے اس کو تو چیز ملنی چاہیئے خواہ کہیں سے ملے اگر اشرفی کیچڑ میں پڑی ملے تو جو شخص اشرفی کو جانتا ہے وہ کیچڑ کی پرواہ نہ کریگا کیونکہ اشرفی تو اشرفی ہی ہے اور جو کیچڑ

دیکھکر اشرفی اٹھانے سے رک گیا وہ جاہل ہے اور اس نے اپنا نقصان کیا اس درویشوں کے فرقے سے جن لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا وہ ان کی ظاہری شکستگی کی وجہ سے محروم رہے حتی کہ علماء بھی۔

خصلتِ بد جس نے کفار کو علوم وحی سے محروم رکھا

مگر یہ بھی معلوم ہے کہ یہ وہی خصلت بد ہے جس نے کفار کو علوم وحی سے محروم رکھا کفار نے بھی تو یہی کہا تھا۔ لو لا نزل ھذالقرآن علی رجل من قریتن عظیم۔ یعنی کفار کو یہ اعتراض تھا کہ اگر قرآن منجانب اللہ ہوتا تو طائف یا مکہ میں سے کسی بڑے آدمی پر اترتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شکستہ حال پر کیوں اترتا کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکستگی ہی سے تو عار کی جیسے کہ آج کل کے علماء درویشوں کی شکستگی سے عار کرتے ہیں دیکھئے اس کا جواب حق تعالی نے کیا دیا۔ اھم یقسمون رحمۃ ربک۔ کیا ان کا اجارہ آتا ہے اور خدا تعالی کی رحمت یعنی نبوت ان کی مرضی کے موافق تقسیم ہوگی یعنی ان کے انتخاب کو اس تقسیم میں کیا دخل ہے نبوت تو بڑی چیز ہے وہ چیز جو ادنیٰ درجہ کی ہے اس کی بھی تقسیم میں ان کا کچھ اختیار نہیں جسکا بیان اگلے جملے میں ہے۔ نحن قسمنا معیشتھم۔ یعنی دنیا کی معاش اور روزی جو ادنیٰ درجہ چیز ہے وہ یہ بھی ان کے اختیار سے تقسیم نہیں ہوئی جس کو ہم نے زیادہ دے دی اسی کے پاس زیادہ ہے ممکن نہیں جسکو کم دی ہے وہ اس سے لے لے یہ اپنی حیثیت سے زیادہ چل نکلے کہ خدائی کاموں میں دخل دیتے ہیں جن کو وہ قریتین میں سے عظیم کہتے تھے اور ان کو مستحق قرآن کے اترنے کا بتلاتے ان کو عظیم کس نے کیا؟ یہ کس قدر موٹی بات ہے پر اس پر انھوں نے یہ سوال کیوں نہ کیا وہ عظیم کیوں کئے گئے۔ ہم عظیم کیوں نہ ہوئے ان کی بے عقلی کو حق تعالی نے الزامی جواب سے ثابت کر دیا۔ یہی عار ہے جو آج کل کے علماء کو اصلاح سے روکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شکستہ حال رہے ہیں قرب خدا کو کچھ شکستہ حالی سے زیادہ مناسبت ہے۔ انبیاء کے نائب یعنی مشائخ اور اہل اللہ بھی ہمیشہ شکستہ حال ہی رہے ہیں اور انہیں سے حاصل ہوا ہے جو کچھ کسی کو حاصل ہوا ہے۔ (از وعظ الظاہر)

۵

کسی محقق کا اتباع کرے

یہ تو بہت ہی برا ہے کہ مسلمان ہو کر لادریت ولاتلیت کا مصداق ہو نہ خود محقق نہ محقق کا اتباع کرے آج کل ہماری تاویلوں کی یہ حالت ہے ہم خود جانتے ہیں کہ تاویل ہے مگر اس پر نازاں ہیں کہ ہم نے تاویل سے بات بنالی۔

تاویل کے متعلق طالب علمی کا واقعہ

یہ مرض تاویل کا ہمارے اندر ابتدائے طالب علمی سے پیدا ہوتا ہے مجھے خود اپنے بچپن کا واقعہ یاد ہے جبکہ دیوبند کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں عربی کی پڑھتا تھا اس زمانہ میں ایک دفعہ میرٹھ والد صاحب کے پاس گیا اور اس وقت میرٹھ میں نوچندی کا میلہ تھا۔ میں بھی بچپن کی وجہ سے میلہ دیکھنے چلا گیا جب واپس آیا تو حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کے بڑے صاحبزادہ شیخ غلام محی الدین صاحب دفتر میں مجھے اپنے پاس بلاکر پوچھا کہ نوچندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے میں سمجھ گیا اس سوال سے مجھ پر اعتراض مقصود ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا میں نے بات بنائی اور تاویل کے ساتھ جواب دیا کہ نوچندی کے میلہ میں ایسے شخص کا جانا جائز ہے جو کسی وقت مقتدا بننے والا ہے اور اس وقت اس غرض سے جاتا ہے کہ میلہ کے مفاسد معلوم کرلے تاکہ بعد میں جب لوگوں کو اس سے منع کرے تو اس کے مفاسد ان کے سامنے بیان کر سکے اس جواب پر شیخ صاحب موصوف بہت ہنسے کہ مولوی لوگ گناہ بھی کرتے ہیں تو اسکو جائز بنا کر خیر یہ تو بچپن کی بات تھی افسوس یہ ھیکہ پچپن سال میں بھی ہماری یہی حالت ہے۔

عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین مولویوں کے قبضہ کا ہے

یہاں تک کہ عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس دین مولویوں کے قبضہ کا ہے جس چیز کو چاہیں حرام کرلیں اور جس چیز کو چاہیں حلال کرلیں لکھنؤ میں ایک طوائف نے جو بڑی مالدار تھی اپنی جائداد جو

بڑی قیمتی تھی مولانا محمد نعیم صاحب کو دینا چاہی اور مولانا کی یہ حالت تھی کہ بہت تنگدستی کے ساتھ گزر ہوتا تھا مگر متقی بزرگ تھے انھوں نے اس کے لینے سے انکار کردیا پھر اس نے ایک قومی عربی مدرسہ والوں کو وہ زمین دینا چاہی اہل مدرسہ نے نہ معلوم کیا تاویل کرلی ہوگی انہوں نے وہ جائداد لے لی اس کا عوام پر یہ اثر تھا کہ لکھنو کے شہدے بھی علماء مدرسہ پر ہنستے تھے اور باہم دل لگی کے طور پر کہتے تھے کہ بھائی مولوی محمد نعیم صاحب تو اکیلے تھے وہ ڈر گئے کہ میں اکیلا اس بوجھ کو کیونکر اٹھاونگا اس لئے انکار کردیا اور مدرسہ والے بہت سے ہیں انہوں نے سوچا کہ تھوڑا تھوڑا بوجھ بانٹ آئے گا سب مل کر اٹھالیں گے اس واسطے انھوں نے منظور کرلیا میں کہتا ہوں اگر بالفرض علماء مدرسہ نے کسی صحیح تاویل سے اس کو جائز بھی سمجھا ہو تب بھی ان کو لینا جائز نہ تھا۔

جس مباح سے فساد عوام کا اندیشہ ہو اسکا ترک واجب ہے

کیونکہ جس مباح سے فساد عوام کا اندیشہ ہو اس مباح کا ترک واجب ہوجاتا ہے خصوصاً ایسا مباح جس کے کرنے سے دین پر حرف آتا ہو۔

احتیاط کے متعلق ہم وطن ایک عالم کی حکایت

مجھے اس پر اپنے ہموطن ایک عالم کی حکایت یاد آئی کہ انھوں نے کسی ہندو پر عدالت میں دعویٰ کیا اور جس سب جج کے یہاں دعویٰ تھا وہ بھی مولوی تھے کیونکہ پہلے یہ عہدے علماء ہی کو ملتے تھے تو سب جج نے مولوی صاحب کے موافق ڈگری کی اور مع سود کے جسکی مقدار آٹھ سو روپیہ تھی ڈگری دی مولوی صاحب باوجود سخت حاجت کے سود کے لینے سے انکار کردیا تو سب جج نے کہا مولوی صاحب آپ کیوں نہیں لیتے در مختار میں تو لکھا ہے۔ لا ربٰو بین المسلم و الحربی فی دار الحرب مولوی صاحب نے کہا میں عوام کو سمجھانے کے لئے درمختار کہاں بغل میں لئے لئے پھرونگا مشہور تو یہی ہوگا مولوی صاحب نے سود لیا۔ صاحبو یہ ہے علم اور اس کا نام تفقہ کہ اگر کوئی چیز قاعدے سے جائز بھی ہو مگر اس سے دین پر حرف آتا ہو تو اس کو بھی ترک کیا جائے مگر آج کل مدارس میں عموماً اس کا خیال نہیں کیا جاتا ہر شخص کا چندہ بے تکلف لے لیا جاتا ہے۔

اہل مدارس کی لغزش

کہ مخترع ثمرات کو مطلوب اور رضائے حق کو مقصود نہیں سمجھا۔ جس کا راز یہ ہے کہ آج کل اہل مدارس نے مخترع ثمرات کو مطلوب سمجھ رکھا ہے ہمارا مدرسہ بارونق ہو اس میں ہزار پانچ سو طلباء ہوں پچاس سو مدرس ہوں اور ایسی عمارت ہو اور ہر سال اس میں سے اتنے طلبہ فارغ ہوں اور یہ باتیں بدون زیادہ رقم کے ہو نہیں سکتیں تو اب ہر وقت ان کی نظر آمدنی پر رہتی ہے اور جہاں سے بھی چندہ آتا ہے رکھ لیا جاتا ہے واپس کرتے ہوئے یہ خیال ہوتا ہے کہ حرام اور مشتبہ مال کو واپس کرنا شروع کریں تو آمدنی کس طرح ہوگی جو اتنے بڑے کارخانہ کو کافی ہوسکے بس یہی جڑ ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ رضائے حق مقصود نہیں اس جڑ کو اکھاڑ پھینکو اور ثمرات پر ہرگز نظر نہ کرو نہ زیادہ کام کو مقصود سمجھو بلکہ رضائے حق کو مقصود سمجھو چاہئے مدرسہ رہے یا نہ رہے اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر دینداری اور علم کا نام نہ لو نہ خدا سے محبت کا نام لو افسوس خدا سے محبت اور غیر پر نظر۔

حضرت گنگوہیؒ کا جواب کہ مدرسہ مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے

حضرت مولانا گنگوہی جو اس قدر مضبوط اور قوی القلب تھے کہ بڑے سے بڑے فتنہ و فساد کے وقت مستقل رہتے اور از جارفتہ نہ ہوتے تھے اس کا راز یہی تھا کہ وہ صرف ایک ذات کی رضا پر نظر رکھتے تھے ثمرات پر نظر نہ کرتے تھے ایک زمانہ میں مدرسہ دیوبند کے خلاف دیوبند میں بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ وہی تھا جو آج کل ہورہا ہے کہ ایک ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران مدرسہ میں بڑھا دیا جائے مولانا گنگوہی اس کو منظور نہ فرماتے تھے یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا میں نے حضرت کو ایک خط لکھا کہ اس وقت شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدام کی ہے اور کثرت رائے سے ہی فیصلہ ہوا کرتا ہے ان

کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم کو مدرسہ مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے۔

نا اہل کو ممبر بنانا معصیت ہے

اور نا اہل کو ممبر بنانا معصیت ہے جو خلاف رضائے حق ہے اس لئے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس پر ہم سے مواخذہ ہوگا اور اگر اہل شہر کے فتنہ سے مدرسہ بند ہوگیا تو اس کے جوابدہ وہ قیامت میں خود ہونگے کیونکہ ان کے ہی فعل کا یہ نتیجہ ہوگا ہم سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا الحمد للہ جو بات مجاہدوں سے برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتی وہ بزرگوں کی جوتیوں کی طفیل ایک ساعت میں حاصل ہوگئی حضرت اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بہت بڑا علم ہے۔

جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں ہیں) صرف رضائے حق مقصود ہے نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب ہے نہ عمارت مقصود ہے صرف رضا مطلوب ہے اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت و طاقت ان میں کام کرتے رہو اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانیاں اور وساوس قطع ہوگئی ہیں اس علم سے اعمال میں کام لیکر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہوا تو دوا دارو کرو مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہوجائے بلکہ معالجہ محض رضائے حق کیلئے کرو کہ اللہ تعالی نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو علاج کرو ثمرہ پر نظر نہ کرو اسی طرح مدرسہ جاری کرو اور رضائے حق پر نظر رکھو۔

یہ دھن نہیں گھن ہے

یہ ثمرہ متعین نہ کرو کہ ہمارا مدرسہ ایسا ویسا ہونا چاہئے یہ دھن کہاں کی لگائی یہ دھن نہیں

بلکہ گھن ہے پھر وہ جس حال میں راضی رہیں تم خوش رہو ایسے ہی ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو لذت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو۔

یہ تاویل کرلی ہے کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ گڑھ لیا ہے کہ نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے۔

ہر نفع متعدی نفع لازم سے افضل نہیں

صاحبو یاد رکھو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ اس کے لئے ہے جو نفع لازمی سے فارغ ہوگیا ہو اور نفع متعدی میں مشغول ہونا اس کیلئے نفع لازم میں خلل انداز نہ ہوتا ہو اور جس کی یہ حالت نہو اس کے لئے نفع لازمی متعدی سے افضل ہے دیکھو امامت نفع متعدی ہے اور اقتدا نفع لازمی ہے تو اب بتلاؤ کیا ہر شخص کے حق میں امامت افضل ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے تھوڑے افراد ہیں جنکے واسطے امامت افضل ہو زیادہ وہی ہیں جن کے واسطے مقتدی ہی بننا افضل ہے اور دیکھو تعلیم دینا نفع متعدی ہے اور پڑھنا نفع لازم ہے تو کیا ہر شخص کو پڑھانا افضل ہے پڑھنے سے ؟ ہرگز نہیں بلکہ پڑھانا اسی کے واسطے افضل ہے جو پڑھنے سے پوری طرح فارغ ہوچکا ہو اور اس کے اساتذہ کہدیں کہ اب تم اس لائق ہو کہ دوسروں کو پڑھاؤ اور جو خود ہی پڑھا نہ ہو دوسروں کو پڑھانے کے لائق نہیں اور نہ اس کے واسطے تعلیم و تدریس افضل پس یہ کلیہ غلط ہوگیا۔

علماء بھی نفع متعدی کے مسئلہ سے دھوکہ میں ہیں

علماء بھی نفع متعدی کی افضلیت کے مسئلہ سے دھوکے میں ہیں واعظین سمجھتے ہیں کہ بس ہم کو کچھ محنت کرنے کی ضرورت نہیں تمام سامعین کی گٹھریاں قیامت میں ہم کو ہی ملیگی جی ہاں دیکھنا کیسی ملتی ہیں اسی طرح اہل مدارس دھوکے میں ہیں بس ہم مدرسہ کی خدمت کر رہے ہیں جس سے نفع متعدی ہے یہی ہم کو کافی ہے اور کچھ ضرورت نہیں صاحبو یہ بڑا دھوکہ ہے جس کا منشاء یہ ھیکہ سب نے نفع متعدی کو مطلقاً افضل و مقصود سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ کلیہ نہیں جیسا کہ میں

نے تفصیلاً بتلادیا رہا یہ کہ پھر ہم کو کیسے معلوم ہو کہ اس وقت ہمارے لئے نفع متعدی میں مشغول ہونا افضل ہے اور اس وقت نفع لازم ہی میں اشتغال ضروری ہے اور نفع متعدی میں مشغول ہونا مضر ہے تو اس کے لئے نظر صحیح کی ضرورت ہے ۔

نظر صحیح پیدا کرو ورنہ کسی صاحب نظر کا دامن تھام لو۔

یا تو نظر صحیح پیدا کر ورنہ کسی صاحب نظر کا دامن پکڑو اور اس کے تابع ہو جاؤ اور اس سے ہر موقع پر استفتا کرو واللہ اس کی سخت ضرورت ہے نظر صحیح بھی یوں ہی پیدا ہوگی بدون اس کے بہت کم پیدا ہوتی ہے ۔

شیخ صاحب نظر بھی اپنے لئے کوئی شیخ تجویز کر لے

بلکہ میں کہتا ہوں جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ بھی اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے[ف] اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کرے اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے حالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسرے کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے اور جس شیخ کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رھیگا جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنائیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کریں غیر مشائخ کیلئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے ۔

ہر شخص کو حق نہیں کہ اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھے

پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور

[ف] مرشدی و مولائی حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ہر چھوٹے کو اپنا ایک بڑا بنانا ضروری ہے جس طرح چھوٹے بچے کی پرورش میں ماں باپ کی نگرانی ضروری ہے ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت اقدس تھانوی ؒ کے بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ؒ کو میں نے اپنا بڑا بنایا ۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کامل پوری ؒ سے جن کے متعلق حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا تھا یہ کاملپوری ہی نہیں کامل پورے ہیں ۔ ان کے پاکستان چلے جانے کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری ؒ سے میرا تعلق رہا۔

اسی پر کفایت کرلے اور مبتدیانِ سلوک اور متوسطین کے لئے تو بہت ہی مضر اور سد راہ ہے ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیے ۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

بہر حال بعض مشائخ اپنا مجمع بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا سو میں نے بتلادیا کہ وہ دھوکے میں ہیں اور یہ گفتگو اس وقت ہے جبکہ اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی وہ اسی نیت سے مجمع بڑھانیکی فکر کرتے ہیں تاکہ مخلوق کو نفع ہو اور واقعہ یہ ھیکہ یہ تاویل بھی فاسد ہے ۔

نفع خلق مطلوب ہونیکی علامت

اگر ان کو نفع خلق مطلوب ہے تو اس کی علامت یہ ھیکہ اگر کوئی شخص ان سے زیادہ کامل آجائے جس سے نفع خلق کی زیادہ امید ہے تو یہ حضرت شیخ اپنی مسند چھوڑ کر الگ ہو جائیں اور لوگوں سے صاف کہدیں اب میری ضرورت نہیں رہی فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ کامل ہیں مگر وہ لوگ جو نفع خلق کی تاویل سے اپنا مجمع بڑھا رہے ہیں ذرا وہ اپنے گریباں میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ ان کی بستی میں دوسرا بزرگ اسی کام کا کرنے والا آجائے تو یہ اس کام کو اس کے حوالے کر کے خود دوسرا کام سنبھال لیں ہر گز نہیں ۔

خانقاہ والے دوسری خانقاہ کو، مدرسہ والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے

اب تو یہ حالت ہے خانقاہ والے دوسرے خانقاہوں کو نہیں چاہتے اور مدرسہ والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے واعظین دوسرے واعظین کو نہیں چاہتے پھر یہ کیا اخلاص ہے اس حالت کو دیکھ کر بعضے دردمند بیساختہ دربار رسالت کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح فریاد کرتے ہیں۔[ف]

اے بسرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اے اللہ جب علماء و مشائخ کی یہ حالت ہو تو اب عوام کی اصلاح کیونکر ہو افسوس ماٹ کا ماٹ ہی خراب ہے (آیت : ظہر الفساد) مسلمانو سنبھلو اور اپنی حالت کو سنوارو کہ ہم راستے سے بہت دور ہوگئے ہیں

اور سب سے زیادہ ضرورت علما اور مشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے کیونکہ ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے ۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت حسن شاہؒ کا واقعہ

پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی جب ہمارے حضرت حاجی صاحب نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے دو کاندارانہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آگیا ہے اس کے سامنے اب مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کئے واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں ۔

شیخ شمس الدین ترکؒ اور شاہ بو علی قلندرؒ کا واقعہ

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابر کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بو علی قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحب سے دریافت کیا یہ کیا بات تھی فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا

تھا پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انھوں نے یہہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہونگا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کے جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہیں کرونگا اس کے بعد شاہ بو علی قلندر خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا شیخ شمس الدین کو اجازت دیدی تم جس طرح چاہو تصرف کرو اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آگیا ۔

ہمارے اندر تحزّب اور گروہ بندی کا مرض آگیا ہے

صاحبو ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے ہمارے اندر تحزب و گروہ بندی کا مرض آگیا ہے اگر ہم کو نفع خلق مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا اب میں دین کا دوسرا کام کروں جسکو کوئی نہ کر رہا ہو نیز اگر نفع خلق مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہونچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہو کیونکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف تو اہل حق میں ابتداء سے چلا آرہا ہے کوئی نئی بات نہیں مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اس سے خوش نہ ہونگے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے ۔

میں کہاں تک معیارات بیان کروں (اس کے بعد توحید اعتقادی کے مقابل شرک اعتقادی اور توحید قصدی کے مقابل شرک قصدی کی تشریح و توضیح کے بعد فرماتے ہیں) میں ضرور کہونگا ۔

غیر صوفی کامل مومن نہیں ہوتا

غیر صوفی مومن کامل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ یہہ بھی کہتا ہوں صوفی ہونا وحدۃ الوجود پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی تصوف حاصل ہوسکتا ہے ہمارے نزدیک بہت سے علماء محققین خصوصا ائمہ مجتہدین سب صوفی تھے کیونکہ تصوف سے جو مقصود ہے وہ ان کو علی وجہ

الکمال حاصل تھا حالانکہ وحدۃ الوجود کا غلبہ ان پر نہ تھا غلبہ وحدۃ الوجود سے اصل مقصود صرف یہ ھیکہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے اور ہر کام میں رضائے حق ہی کو مطلوب بنائے سو یہ بات بدون اس غلبہ کے بھی حاصل ہو سکتی ہے یہ ضرور ہے کہ اگر غیر حق کے وجود سے بھی قطع نظر ہو جائیگی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہو جائیگا یہ بات کہ توحید وجودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج پینسٹھ سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا الحمدللہ آج غلطی منکشف ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔ (از وعظ ارضاء الحق)

۶

رفع التباس کے لئے سالک کی رائے کافی نہیں شیخ مبصر کی ضرورت ہے

اسی طرح صدہا چیزیں اشتباہ والتباس کی ہوتی ہیں۔ مثلاً تواضع و تذلل۔ استغنا و تکبر جن کا بیان کر رہا ہوں ان میں بعض اوقات التباس ہو جاتا ہے جس کے امتیاز کے لئے سالک کی رائے کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے ایک شیخ کامل مبصر کی کہ مراحل سلوک میں جانچ پڑتال کرتا رہے جو غلطی محسوس ہو اس کا ساتھ ساتھ دفعیہ کرتا رہے۔ مگر شیخ کی تنبیہ کے نافع ہونے کی شرط یہ ہیکہ طالب میں انقیاد ہو جس کو وہ غلطی بتلاوے اس کو غلطی مان لے تاویل نہ کرے خصوص علماء و طلبا کو اس انقیاد و تسلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ان میں یہ مرض استنکاف اور تاویل کا زیادہ ہے۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ علم کی بدولت ان میں یہ رذائل کم ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لایعلمون • لیکن دیکھا جاتا ہے کہ آج کل ان امراض میں زیادہ تر مولوی صاحبان مبتلاء ہو رہے ہیں خصوصاً کبر میں اپنی خطا اور غلطی ماننے سے ان کو عار آتی ہے۔ طالب علمی کی ابتداء سے تاویل و توجیہہ کی عادت ہوتی ہے۔ ہر غلطی میں توجیہہ کی پچر لگا دیتے

ہیں، کبھی غلطی و خطا کا اقرار نہیں کرتے۔ میرے پاس جو لوگ طالب حق آتے ہیں ان میں مولوی صاحبان بکثرت غلطیوں کی تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ خطا کا اقرار کرتے ہوئے موت آتی ہے جہاں کسی امر خلاف شان پر متنبہ کیا فوراً تاویل گھڑدی میں تو کہدیتا ہوں کہ جب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ میں ایک بات کو مرض کہوں تم اس کی صحت بتلاتے ہو تو یہاں آنے کی کیا حاجت تھی گھر بیٹھے تاویلوں توجیہوں سے اصلاح نفس کر لی ہوتی غرض میرا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ عیب پر تنبیہ کرنے کے وقت مولوی صاحبان خطا پر زیادہ اصرار کرتے ہیں یہ کبھی توجیہ سے نہیں چوکتے گویا ان کے اندر کوئی عیب ہی نہیں پایا جاسکتا بالکل بے عیب ہیں۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ہر شئے اپنی حد تک پسندیدہ و مرغوب خاطر ہے جب افراط و تفریط سے کام لیا جائے گا ہمیشہ غلطی میں مبتلاء ہو گا۔

غلطی کا مبنیٰ اکثر اشتباہ بین الامر ہوتا ہے

اور مبنیٰ ایسی غلطی کا اکثر اشتباہ بین الامر ہوتا ہے دو ضدوں میں تمیز نہ کرنے سے انسان کو غلطی ہوا کرتی ہے۔ مثلاً تکبر و استغنا میں التباس ہو کر کبھی تکبر کو استغنا سمجھا جاتا ہے اور گاہے استغنا کو تکبر سمجھا جاتا ہے اس طرح تذلل کو تواضع سمجھتے ہیں اور تواضع کو تذلل اسراف کو سخاوت و بالعکس حالانکہ ان میں دن رات کا فرق ہوتا ہے اور اس فرق کا زیادہ تر مدار تعلیم شیخ و تنبیہ شیخ پر ہے خود بہت کم محسوس ہوا کرتا ہے اس لئے میں نے بقدر ضرورت تواضع کی حقیقت بتلادی باقی پورا انکشاف کسی کی صحبت میں رہ کر ہو سکتا ہے۔

حب مال سے تذلل اور حب جاہ سے تکبر پیدا ہوتا ہے

غرض یہ کہ تذلل حب مال سے ہوتا ہے اور تکبر حب جاہ سے ہوتا ہے اور دونوں زہر قاتل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ماذئبان جائعان ارسلافی قطیع غنم الحدیث دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دئے جائیں تو بکریوں کو اتنا ضرر نہیں پہونچتا جتنا ضرر انسان کو حب مال اور حب جاہ سے پہنچتا ہے اور ہم لوگ بکثرت ان دونوں مرضوں میں مبتلاء ہیں اس وجہ سے اس مضمون کو اختیار کیا گیا ہے عوام ہی کی کیا شکایت اس

مرض میں خواص کو بھی ابتلاء ہے۔ عوام الناس کا مبتلاء ہونا زیادہ موجب تعجب نہیں کیونکہ ان میں ورع کم ہوتا ہے۔ موانع قریب قریب مفقود ہوتے ہیں بلکہ سب شرائط موجب امراض پائے جاتے ہیں علم سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔ صحبت سے بھی محروم ہوتے ہیں تعجب تو ان خواص سے ہے وہ باوجود علم کے ان امراض میں کیونکر مبتلاء ہیں۔ (از وعظ دستور سہارنپور)

راہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں.........

وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہئے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہوجائے گا پس اس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیوں کر پیدا ہو تو لیجئے میں اس کا

ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت: بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں عرض کرچکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کردینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کرلو روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہوجاوے گی پہلے تھوڑی ہوگی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہوجاوے گا کہ بہت ہی زیادہ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی وہ جو کہتے ہیں کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہوجاتی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کررہے ہیں۔ مگر محبت پیدا نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی جز تو نہیں کہ بس عمل کرلیا بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جز یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا مامور بہ طریق ہے اس طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ تعالے کی محبت

بڑھ جاوے عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہوجائے سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہرحال ایک جز تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیاد محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ تعالی کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو تیسری بات یہ ہے کہ بہت ہی ضروری ہے کہ **اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔** اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاکر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہوگئے بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم مکبل تو ہوگئے یعنی کمبل پوش ۔ باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتی کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہوسکتا غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح پہونچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہوگئی تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آپھنسے ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انھوں نے لتاڑنا ہی شروع کیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے اللہ والے ہیں اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جاکر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے ہی ہمارے لئے تجویز کرنا ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہورہے ہیں معدہ بھی خراب ہے۔ ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی رعایت کیوں کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلادیا لیکن اس نے قصداً قے کرکر

کے سارے پئے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر میں حلوے کھایا کرتے تھے حکیم جی نے نہ جانے کیا الابلا پلادی کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے ۔ تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل پلارہا ہے تو تیرے ساتھ دشمنی نہیں کررہا ہے بلکہ دراصل وہ تجھے حلوے کھانے کے قابل بنارہا ہے ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں ایسی ہی حالت میں حلوہ کھانے سے تو تجھے دست ہورہے ہیں تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوتی ہے ۔

حکایت : مولانا نے مثنوی میں اسی مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں لکھا ہے ۔ حکایت یہ لکھی ہے ایک قزوینی ۔نے ایک دلاک سے کہا کہ تم میرے شانہ پر ایک تصویر شیر کی گودو چنانچہ اس نے گودنا شروع کیا اور سوئی لے کر چک سے کر دیا قزوینی کو جو تکلیف ہوئی تو ہائے واویلا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ارے میاں یہ کیا کررہے ہو ۔ اس نے کہا کہ کر کیا رہا ہوں شیر کی شکل بنارہا ہوں ۔ پوچھا کس عضو سے شروع کیا ہے کون سی چیز بنارہے ہو ۔ کہا دم کی طرف سے شروع کیا ہے دم بنارہا ہوں کہا میاں اس شیر کے لئے دم کی کیا ضرورت ہے بے دم ہی کا سہی ۔ اجی چھوڑو بھی اس دم کو میرا تو اس نے دم ہی نکال دیا ۔ پھر اس نے دوسری طرف سے شروع کیا ۔ پھر چک سے سوئی چبھوئی پھر وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر پوچھا کہ اب کون سا عضو بنارہے ہو کہا کہ اب کی دفعہ کان بنارہا ہوں وہ بولا ارے میاں بعضے شیر بوچے بھی تو ہوتے ہیں کان بھی چھوڑدو ۔ بوچا ہی شیر سہی ۔ پھر تیسری جگہ سوئی لگائی تو وہ پھر چلانے لگا اور پوچھنے لگا کہ بھائی اب کیا بنارہے ہو ۔ کہا پیٹ ۔ کہا میاں تم بھی عجب آدمی ہو اجی وہ سسرا کھائے پئے گا تھوڑا ہی جو پیٹ بنارہے ہو ۔ یہ بھی رہنے دو ۔ اب تو دلاک کو بڑا غصہ آیا ۔ سوئی اٹھا کر زمین پر پھینک دی اور جھلا کر کہا

شیر بے گوش و سروشکم کہ دید
این چنیں شیرے خدا ہم نا فرید

میاں ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا جس کے نہ سر ہو نہ کان نہ پیٹ ۔ پھر مولانا اس

سے نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں

چوں نداری طاقت سوزن زدن
ایں چنیں شیر ژیاں پس دم مزن

تم جو شیخ کے پاس اصلاح کے لئے آئے ہو تو اس کی سختی اور لتاڑ کو برداشت کرو اور اگر قزوینی کی طرح سوزن کی برداشت نہیں ہے تو شیر کا نام ہی مت لو ۔ اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی ۔ پھوڑا لے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال

تو بیک زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

(تو تو عشق کے زخم سے ہی بھاگتا ہے تو نے عشق کے نام کے سوا دیکھا ہی کیا ہے)

بس نام ہی نام ہے عشق کا ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے وہاں کا تو ادب یہ ہے کہ

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست وریزندہ چو آب و گل مباش

(جب تو نے پیر کا انتخاب کرلیا تو نازک دل نہ بن ۔ پانی اور مٹی کی طرح سست اور گرنے والا نہ بن)

وربہ ہر زخمے تو پر کینہ شوی
پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(اگر ہر زخم پر بغض اور کینہ دل میں رکھنے لگا تو تو کیسے بغیر پالش کے آئینہ بن جائے گا)

یہ مصیبت ہوگئی ہے تو حضرت **نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں**

نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہوجائے گا اور **خدا کی قسم** اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی ۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں

چو بیخود گشت حافظ کے شمارد
بیک جو مملکت کاؤس وکے را

(جب حافظ بیخود ہوگیا۔ ایک جو کے برابر بھی کیکاؤس کی حکومت کو کب شمار میں لاسکتا ہے)

جامع کے شعر ہیں

دل ہے وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوہ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں
کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

جناب میرے پاس **قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں** کہ جو اس طریق سے اللہ تعالی کی محبت حاصل کرلے گا۔ وہ ایسا ہوجائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وباء کا کوئی غم نہ رہے گا بس بالکل جنت کی سی حالت ہوجائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کرکے شریعت کے پابند رہو ظاہرا و باطنا اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو۔ اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ اللہ تعالی کا محبوب اور محب ہوجائے گا ضرور ہوجائے گا ضرور بالضرور ہوجائے گا لو جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کرکے دکھلادے گا وہ یحبہم و یحبونہ کا مصداق یعنی اللہ تعالی کا محبوب اور محب ہوجاوے گا۔ ضرور ہوجاوے گا

ضرور ہوجاوے گا۔ ضرور بالضرور ہوجاوے گا۔ لو صاحب اب اختیار ہے۔ جو چاہے عمل کرکے دیکھ لے اور تجربہ کرلے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہوجاوے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پکھنڈ ہے بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے۔ احقر جامع کا شعر ہے

تین حق مرشد کے ہیں رکھ انکو یاد
اعتقاد و اعتماد و انقیاد

جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا اللہ اکبر اسی طرح اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں نے تمہیں پیر بنایا اس پٹہ اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے اگر پکے کاشتکار ہوگے اور طریقہ سے کاشتکاری کروگے تو بلا پٹہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہوگا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کردو بس ہوگیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کرلیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا نہیں کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیر کے وہ انچھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انچھر بتادے گا اور اللہ والے ہوجائیں گے۔ دھرے تھے انچھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر۔ میاں خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لو اور احکام بجالاؤ۔ بس یہی انچھر ہیں اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو۔ یہی بھید ہیں اگر کوئی کہے کہ کیا **باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم باواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے۔**

(طریق القلندر)

تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے اس کا ثبوت

حضرت سے سوال کیا گیا تصوف حاصل کرنا فرض ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ کیونکہ حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں اتقوا اللہ حق تقاتہ کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈرو۔ اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ یہہ صغیہ امر کا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس پر بعض نے شبہ کیا کہ یہ تو منسوخ ہے چنانچہ روایات میں ہیکہ جب یہہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پر سخت گذری اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ڈرنے کا کون ڈر سکتا ہے یہ تو طاقت سے باہر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی فاتقو اللہ ما استطعتم مفسرین لکھتے ہیں یہ آیت پہلے کیلئے ناسخ ہے حضرت نے فرمایا میں کہتا ہوں اس سے منسوخ ہونا حسب اصطلاح اہل اصول لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سلف کی اصطلاح میں لفظ نسخ کا اطلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیری ہو چنانچہ یہاں بھی یہی ہے ظاہراً اتقو اللہ حق تقاتہ سے فوراً استفاد ہوتا تھا اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر شاق ہوا اس کی تفسیر کیلئے دوسری آیت نازل ہوی یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھو۔ فی الفور تحصیل درجہ کمال مامور بہ نہیں۔

(مقالات حکمت حصہ سوم صفحہ ۵۰) (نقل از بصائر حکیم الامت صفحہ ۶۰۵)

علم دین ہی معلم اخلاق ہے

حضرت حکیم الامت نے فرمایا میں دعوی کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاق سیر چشمی و بلند نظری عالی دماغی تہذیب اعتدال و انتظام اقوال میسر ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ بے علم امراء میں ان اخلاق کا نام نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اس لئے ان کے عیبوں پر پردہ پڑا رہتا ہے سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہیکہ مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام آپ درویش رکھ لیجئے جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں۔ ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر و بیروت میں بہت سے عیسائی و

یہودی عربی داں ہیں (حتی کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف ہیں مصر و بیروت کے علاوہ خود یورپ میں ہیں) تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہنے لگیں گے العیاذ باللہ (افادات یومیہ)

علم دین کے ساتھ اخلاق کی تعلیم

فرمایا کہ تعلیم اخلاق کو درس سے خارج کر دینے کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا خلاصہ یہ کہ علماء اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے مکار پیر بن گئے جو خلقت و دنیا کو ذبح کر رہے ہیں اس لئے چاہئے کہ اخلاق کی کتابوں کو درس میں داخل کریں (اور صرف درس اخلاق ہی کافی نہیں) بعد فراغ التزاماً طلباء محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چند دن ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں انشاء اللہ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون قل جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زھوقا آنکھوں سے نظر آجائیگا۔ (افادات الیومیہ)

تعلیم و تعلم کا مقصود اصلی یہی ہیکہ آدمی خدا کا ہو جاوے

مگر آج کل اہل علم نے صرف تعلیم و تعلم ہی کو مقصود سمجھ لیا ہے عمل کا اہتمام نہیں کرتے محض الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں ان کو قلب تک نہیں پہنچاتے غرض علماء کو تحصیل علم کے بعد طریق سلوک یا جذب کو حسب تجویز شیخ اختیار کر کے اصلاح نفس کرانا چاہئے۔

ایها القوم الذی فی المدرسه
کل ماحصلتموه وسوسه
علم نبود الا علم عاشقی
مابقی تلبیس ابلیس شقی

علم رسمی سر بسر قیل است و قال
نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال
علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی زدل بزدایدت
این ہوس را ز سرت بیرون کند
خوف و خشیت در دلت افزوں کند
تو ندانی جز یجوز و لایجوز
خود ندانی کہ حوری یا عجوز
علم چوں بر دل زند یارے بود
علم چوں برتن زند مارے بود

تصوف نام ہے مقامات کا

ارشاد۔ تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات بھی ملکات ہیں اخلاص و رضا تواضع وغیرہ ان کو حاصل کرو اور ان کے اضداد ریا کبر اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ بس صوفی ہوگئے۔ (انفاس عیسی)

دور حاضر میں اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت

حضرت حکیم الامت مجدد ملت نے فرمایا کہ "میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (الافادات الیومیہ) (از بصائر حکیم الامت صفحہ ۱۴۶)

شریعت کے پانچ اجزاء

غور سے سن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزا ہیں۔ ایک جزو تو عقائد کا ہے کہ دل

سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے (اس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی) دوسرا جز عبادات ہیں۔ یعنی نماز روزہ زکوۃ حج وغیرہ۔ تیسرا جزو معاملات ہیں۔ یعنی احکام نکاح و طلاق و حدود و کفارات و بیع و شراء (خرید و فروخت) و اجارہ و زراعت وغیرہ اور انکے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتلاتی ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع (اور جھگڑے) کا اندیشہ ہو۔ غرض جواز اور عدم جواز بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھا جزو معاشرت ہے۔ یعنی اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا مہمان بننا کسی کے گھر پر جانا کیونکر چاہئے۔ اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں عزیزوں اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیونکر برتاؤ کرنا چاہئے۔ پانچواں جزو تصوف ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ غرض دین کے پانچ اجزاء ہیں ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو ناقص دین ہے جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے۔ بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں یہ سب واہیات ہے۔ بس نماز روزہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اسی کو کرنا چاہئے یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں۔ تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن و حدیث کو۔ اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو خدا سے ڈرو۔ اس کے متعلق میں

نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ایک تو "حقیقت الطریقت" جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ایک رسالہ مستقل (مسائل السلوک) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں۔ان دونوں کتابوں سے معلوم ہو گا کہ قرآن و حدیث تصوف سے لبریز ہیں اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو۔غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

تصوف کی ضرورت اور اس کا رواج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم و حدیث و اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز نہ تھے (بلکہ) پچھلے زمانہ میں قران و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا جداگانہ نام تجویز ہوا۔اور ان کے واضعین (بنانے والوں) کو سب نے امام مانا۔حتیٰ کہ امام شافعی جیسے حضرات امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھکر الناس فی الفقہ عیال ابیحنیفہ (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔امام بخاری حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تبحر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے۔جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی خواجہ بہاؤالدین نقشبندی خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان سے پیشتر حضرت جنید بغدادی وغیرہ۔اور جس طرح پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں۔علم تصوف میں بھی بدوں اتباع طریقہ بزرگاں چارہ نہیں۔گو ادنیٰ درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدوں اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے مگر وہ امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدوں صحبت کاملین کے ممکن نہیں۔جس طرح دیگر علوم متخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہو گیا جیسے علم فقہ اور علم حدیث اسی طرح مشائخ کے اس متخرجہ طریقہ کا نام تصوف ہو گیا۔اگر کوئی شرح وقایہ و ہدایہ پڑھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے اگر تفسیر یا

حدیث پڑھتا ہے تو یوں نہیں کہتے کہ فقہ پڑھتا ہے۔حالانکہ فقہ میں (بقول امام اعظم) بہت سے علوم مثلاً حدیث تفسیر حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے۔یا صوفی ہے نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے۔حالانکہ تصوف تزکیہ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے۔

لہذا جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے ایسے ہی ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" کا پڑھنا بھی ضروری ہے اور امام غزالی کی اربعین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف۔

خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے۔اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا ہمت کا مقتضاء تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔

بیعت وارادت کا ثبوت حدیث صحیح سے

عن عوف بن مالک الا شجعي قال كنا عند النبی صلی االلّٰہ علیه و سلم تسعه اوثمانیه اوسبعه فقال الا تبایعون رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم وبسطنا ایدینا و قلنا علی ما نبایعک یارسول اللّٰہ قال علی ان تعبدو اللّٰہ ولا تشر کوابه شیئا وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا وتطیعوا (مسلم ابو دائود نسائی)۔

بیعت کی اصلی حقیقت خود لفظ بیعت وارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے ارادہ محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں۔بلکہ مراد پورا کرنے کے لئے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے بس مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و

ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دے جیسے مریض کسی حاذق طبیب کے حوالے اپنے کو کر دیتا اور دوا پرہیز میں کالا اس کی تجویز وہدایت پر عمل کرتا ہے۔

پیری ومریدی یا بیعت وارادت کی حقیقت وضرورت میں بہت افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے ایک طرف اس کو سرے سے بعضوں نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی و پابوسی کرلی باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں حالانکہ) نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے ا اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا۔ اگرچہ (رسمی) مرید کسی سے بھی نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے برکات کچھ نہیں لیکن اس کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے (بلکہ) اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے شیخ اس کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کاربند ہوتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو۔ تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ جو کہ رضاء ہے ظاہر ہوگا اور رضاء سے دخول جنت ولقاء حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی۔ اور شیخ کی طرف سے تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اتباع کا عہد یہی پیری مریدی کی حقیقت ہے اور گویا تعلیم بدوں بیعت متعارفہ (یعنی مشہورہ) بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہوجاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہوجاتا ہے اور شیخ کی تعیین (یعنی ایک معین شخص ہونا) اور وحدۃ (یعنی ایک ہی ہونے) میں بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا عورت کو کوئی کپڑا وغیرہ پکڑا دینا جب کہ وہ پاس ہو یہ محض ایک معاہدہ کی تاکید کے لئے ایک عادت صالحہ مستحسنہ ہے اور معاہدہ کا جزو نہیں (نہ مقصود ہے نہ کسی مقصود کا موقوف علیہ) اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہیں (یعنی غائب کی بیعت بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے بذریعہ تحریر وغیرہ بھی ہوجاتی ہے) اور اس کا استحسان سنت میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔

بیعت کی ضرورت

یہ یقینی ہے کہ بیعت طریقت کی ضرورت عام نہیں لیکن باوجود اس کے پھر بھی نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں کہ وہ بدون تنبیہ شیخ محقق عارف کے سمجھ میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں آ بھی جاتے ہیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بتلاتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد چکھ چکا ہے۔ جو پریشانی تم کو پیش آتی ہے وہ اس کو بارہا پیش آچکی ہے اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا بار بار تجربہ ہونے سے اس کو پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اس میں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہوسکتا۔ پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کرچکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اور اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے (کوئی شخص کتنا ہی عالم فاضل) اور طب کی کتابیں بھی پڑھ لیتا ہو مگر باقاعدہ کسی طبیب کے پاس رہ کر مشق نہ کی ہو اگر وہ خود اپنا علاج محض کتابی نسخوں سے کرنے لگے تو خطرے کا باعث نہیں تو اور کیا ہے۔ لہذا) کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کرسکتا۔ حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے اور طبیب ان ہی سے علاج کرتا ہے مگر تم نہیں کرسکتے۔ اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کرسکتے۔ مجھے ہر سال برسات کے اخیر میں بخار آیا کرتا تھا اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے تھے۔ میں نے کہا لاؤ اس کو لکھ لیں۔ جب بخار آیا کرے گا تو اس کو استعمال کرلیا کریں گے۔ چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا مگر خاک نفع نہ ہوا۔ آخر کار حکیم صاحب کو بلایا انھوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوا۔ پھر تحقیق ہوئی کہ اس سال صفراء کے ساتھ

بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں اب اگر میں نے نسخہ بھی نقل کر لیا کہ چلو اس میں صفراء و بلغم دونوں کی رعایت ہے تو اس کا اندازہ کیسے ہو تا کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ ہے یا مساوی ہے یا کم ہے اس کا اندازہ تو طبیب ہی کر سکتا ہے جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہو اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب کا کام ہے۔

غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بغیر رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے اگر ایک نابینا کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اس کو خود چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے نہیں تو ہزار رفیق بھی ملنے پر راستہ قطع نہ ہو گا۔ البتہ چلنے کے بعد رہبر اور رفیق کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر رہبر نہ ہو تو نابینا راستہ میں ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گرے گا۔ بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑلے بالکل ویسی ہی حالت اس راستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا ہے۔

(الغرض) عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدون استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہ (طریقت) میں آنے کی توفیق ہو۔ استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہئے جس کے فیض تعلیم و برکت صحبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے۔

گر ہوائے ایں سفرداری دلا
دامن رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کے چلو اس لئے کہ جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا۔ اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا اور) مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر

یار باید راہ راتنہا مرو
بے قلاوز اندریں صحرا مشو

(یعنی باطنی راستہ کے لئے کوئی رفیق ساتھ لے لو۔ تنہا اس راستہ کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کرسکتے)۔

صحبت شیخ کی ضرورت

(بیعت کی اصلی بڑی ضرورت یہی رفاقت یا پیر کی صحبت و تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو) علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے۔ "صاحب صحبت بلا علم" کی اصلاح "صاحب علم بلا صحبت" سے زیادہ ہوتی ہے صحابہ کرامؓ سب کے سب عالم نہ تھے (مگر ادنی سے ادنی صحابی کی فیضلت بھی اعلی سے اعلی محدثین و فقہاء اور بڑے سے بڑے اولیاء واقطاب پر مسلم ہے۔ اس فضیلت کا مدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے) صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا۔ حتی کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لیکر اٹھائے گا تو خود بھی قاعدے سے نہ اٹھایا جاسکے گا بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہوسکتا۔ غرض بدوں کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔

صحبت طالح ترا طالح کند
صحبت صالح ترا صالح کند
ہر کہ خواھد ہمنشینی با خدا
گو نشیند در حضور اولیا
یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است
بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(مطلب یہ ہے کہ) نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنادے گی۔ اسی طرح بد بخت کی صحبت بد بخت بنادے گی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہمنشینی کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیۓ۔ اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت (عبادت) سے بہتر ہے۔ نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہو جاوے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔

(ان اشعار اور ان کے مطلب سے جو بات سمجھ میں آتی ہے) وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گُر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے۔ ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہیۓ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اگر کسی شخص کے پاس سو اشرفیاں ہوں تو بظاہر تو اس کے پاس امتعہ (یعنی اسباب میں) سے کوئی ایک چیز بھی نہیں لیکن اگر ذرا تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے (کیونکہ اشرفیوں سے اسباب خریدا جاسکتا ہے) اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہو گئی تو بظاہر تو خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے پس مراد (اس سے) اعمال پر قدرت ہونا ہے اس سے اس کے سب کام بن جاویں گے اور اصل چیز وہی کام ہے جنکی یہ مفتاح (چابی) صحبت میں نصیب ہوگی۔ اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس کام کی اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدوں اعمال نہ کچھ اعتبار اقوال کا ہے نہ احوال کا) نہ کیفیات کا اس لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہیۓ۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل اور حق تعالیٰ کی توفیق عادۃً صحبت کامل پر موقوف ہے۔

صحبت شیخ میں طالب وزدیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے (صحبت نیکاں کے متعلق یہ قطعہ عجیب اور مناسب ہے)

گِلے خوشبوۓ در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوۓ دلاویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ترجمہ ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبو دار مٹی مجھ کو ملی۔ میں نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دلاویز خوشبو سے میں مست ہو گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی تھی مگر ایک مدت پھول کے ساتھ میری صحبت رہی۔ میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں۔ جیسی کہ پہلے تھی)

(شریعت و طریقت)

افاضات

(حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب دامت فیوضہم)

بیان بہ قیام مدرسہ عربیہ نیوٹاون کراچی

تقوی اور خشیت نہ ہو تو علوم ظاہری سے کچھ نفع نہیں

حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور تقوی کی دولت کہاں ملے گی صادقین یعنی متقین کی صحبت سے

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تقوی اور دل میں خشیت نہ ہو تو علوم ظاہری سے کچھ نفع نہیں ایسے طلباء اپنے علوم کو تن پروری کے لئے استعمال کرتے ہیں جاہ اور مال کے حصول کے لئے اپنا دین اور مسلک سب قربان کردیتے ہیں۔

علم رابر دل زنی یارے بود
علم رابر تن زنی مارے بود

اگر دل میں علم کا اثر حاصل کرلیا جاوے یعنی حق تعالی کی محبت اور خوف تو یہ علم بہترین یار ہے اور اگر علم کو جسم کے آرام و عیش کے لئے استعمال کیا تو یہی علم سانپ کی طرح ہلاک کرنے والا ہوتا ہے ۔میں اپنے چشم دید مشاہدات ان طلبا اور فارغ التحصیل اہل علم کا حال بیان کرتا ہوں تاکہ عبرت ہو اور یہ بدحالی تقویٰ نہ ہونے سے ظاہر ہوئی ۔ میں نے بعض اہل حق اداروں کے فارغین اہل علم کو غیر اہل حق کی مساجد میں امامت کرتے ہوئے پایا اور تمام ان

منکرات میں مبتلا پایا جن کو دل میں یہ برا اور منکر جانتے تھے تو بات کیا ہے دل میں مال کی محبت اور دنیا کی محبت حق تعالی پر توکل و بھروسہ اور اعتماد کی کمی اسی طرح بعض اہل علم کا قصہ بیان کرتا ہوں ایک مشہور اور مستند دینی ادارے سے عالم ہونے کی سند بھی حاصل کرلی لیکن جب اپنے ملک واپس جانے لگے تو بمبئی ایرپورٹ پر داڑھی منڈالی اور کوٹ پتلون ٹائی لگا کر چلدئے ۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون یہ کیا بات ہے علم ظاہری بدون تقوی کے یہی نتائج ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور برعکس جن طلباء کے دلوں میں اللہ تعالی کی محبت اور خشیت و خوف پیدا ہوگیا ان کو حافظ ہونے کے بعد والدین کے اصرار کے سبب انگریزی پڑھنے کیلئے یونیورسٹی جانا پڑا مگر وہاں ان کا وہی لباس صالحین کا اور داڑھی شرعی اور اپنے ماحول سے وہ ذرا بھی مرعوب و متاثر نہ ہوئے پختہ اور خام میں یہی فرق ہوتا ہے غالب اور مغلوب میں یہی فرق ہوتا ہے ۔ عمل کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے روشنی علم اور طاقت مثلا سیب سامنے ہے دیکھ رہا ہے اور روشنی بھی ہے مگر کمزوری سے اٹھ کر سیب تک جا نہیں سکتا حالانکہ کھانے کیلئے بے چین ہے اور صد فیصد اس کو مفید سمجھتا ہے ڈاکٹر صاحبوں نے بھی حکم دے رکھا ہے کہ سیب کھاؤ مگر کمزوری سے لیٹا ہوا ہے محروم ہے لیکن ڈاکٹر طاقت کا انجکشن لگاتا ہے اور طاقت کے کیپسول دیتا ہے تو پھر خود اٹھ کر سیب کھالیتا ہے یہی حال علم کا ہے علم کی روشنی ہے راستہ رضائے حق کا معلوم ہے مگر عمل کی طاقت نہیں ہے پس صالحین متقین کی صحبت سے عمل کی طاقت پیدا ہوتی ہے ۔حضرت تھانویؒ نے دو کاہلوں کا قصہ بیان فرمایا کہ ایک لیٹا تھا اور اس کے سینہ پر یک بیری کا پھل تھا (بیر) ایک سوار سے جو اس کے پاس سے گزر رہا تھا اس سے کہہ رہا تھا کہ اس کو ہمارے منہ میں ڈال دو اس سوار نے کہا اپنے لیٹنے والے دوست سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہارے منہ میں ڈال دے اس کاہل نے کہا کہ میں یہ کام کیوں کروں میرے منہ میں کل کتا پیشاب کر رہا تھا اس نے ہٹانے کی زحمت نہ کی تو دوستو! آج ہمکو ان باتوں پر ہنسی معلوم ہوتی ہے مگر ہمارا کیا حال ہے کہ دوکاندار اور تاجر تو دور دور سے مساجد میں صف اول میں آکر بیٹھے ہوئے ہیں اور جو مسجد کے پاس مدرسہ میں مقیم ہیں ان میں کسی کی بھی تکبیر اولی فوت ہوجائے اور مسبوق بن جائے طلباء کرام کیلئے یہ

عفلت رونے کا مقام ہے ان کو تو سو فیصد تکبیر اولی سے نماز پڑھنی چاہئے کوئی عذر یا بیماری سے کبھی فوت ہو تو اور بات ہے اگر طالب علمی کے زمانے میں اعمال کا اہتمام نہو گا اور اپنی اصلاح کی فکر نہ ہوگی تو اسی طالب علم کا سا حال ہو گا جو بمبئ ایرپورٹ پر اپنا برا حال کر کے ملک واپس گیا تھا طلباء کرام آپس میں معاہدہ کرلیں ایک دوسرے کو نماز باجماعت اور تکبیر اولی میں شرکت کیلئے جگا دیا کریں جو تہجد گذار ہو گا اس کی تکبیر اولی کیسے فوت ہو سکتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ اگر بعد نماز عشاء فوراً سو جاوے تو تہجد کے وقت انشاء اللہ ضرور آنکھ کھل جاوے گی ایک شخص نے لکھا حضرت حکیم الامت تھانوی کو کہ میری آنکھ تہجد کے وقت کھل جاتی ہے مگر اٹھا نہیں جاتا کاہلی گھیر لیتی ہے تحریر فرمایا کہ سانس بند کرلو ایک منٹ میں کاہلی دور ہو جائیگی۔

اگر تہجد گذاری نصیب نہو تو اس وقت اپنے بستر پر بیٹھ جاوے اور کچھ تسبیح اور استغفار کرلے چند منٹ کیا ایک منٹ بھی تتجافی جنوبہم کی دولت بڑی نعمت ہے۔ پہلو تو بستر سے خدا کی یاد میں الگ ہو گا پس اس آیت پر عمل تو ہو گیا یہ نسخہ مگر کاہلوں اور سست لوگوں کیلئے ہے اور انشاء اللہ تعالی اس طرح کرنے سے پھر امید ھیکہ آگے ترقی کر کے تہجد بھی پڑھنے لگے گا کیونکہ مشابہت تہجد گذاروں کی اس نے کی۔ نقل کی برکت سے بھی کام بن جایا کرتا ہے حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

بہر حال ذکر اور تہجد میں ناغہ سے بہت بچیں کیونکہ ایک وقت ناشتہ نہ ملنے سے بھی تو کمزوری آجاتی ہے پھر ذکر کے ناغہ سے روح میں کمزوری کیسے نہ آئیگی اور روح کی کمزوری سے پھر نفس غالب آنے لگے اور معاصی سے بچنا مشکل ہو جایگا بزرگوں کی شان عجیب ھیکہ ذکر میں ناغہ تو کیا کمی سے بھی ان کو غم ہوتا ہے۔ حضرت رومی اس کو فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاروں غم بود
گر زباغ دل خلالے کم بود

حضرت امام مالک کی مجلس میں ایک بزرگ یحییٰ ان کے شاگرد تھے مدینہ میں اندلس سے پڑھنے آئے تھے حضرت امام نے فرمایا کہ میاں یحییٰ جاؤ ہاتھی آیا ہے دیکھ لو کیونکہ تمہارے اندلس میں ہاتھی نہیں ہوتا ہے دیکھو اہل مدینہ شوق سے جوق در جوق دیکھنے کیلئے جارہے ہیں اور

بچے خوشی سے شور مچار رہے ہیں عرض کیا کہ حضرت اندلس سے آپ کی خدمت میں آیا ہوں آپ کو دیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں یہ شان تھی طالب علم کی بعض عربی مدارس میں جہاں طلباء کی تربیت کا اہتمام کیا گیا وہاں صف اول میں شہری لوگوں کو جگہ نہیں ملتی۔ اور طلباء کرام تہجد اور اشراق اور اوابین اور صف اول کا اہتمام نہ کریں گے تو تاجر طبقہ اور سرکاری ملازمین کیلئے صرف یہ اعمال ہیں ایک عربی مدرسہ میں ایک گاؤں کا آدمی گیا تو وہ اوابین پڑھ رہا تھا اور دیکھا تو مسجد میں ایک استاد اور ایک طالب علم بھی اوابین پڑھتا نظر نہ آیا۔ البتہ اگر علم کی مشغولی ہو تو ٹھیک ہے مگر آج کل تو اخبار بینی اور غپ شپ کیلئے وقت نکلتا ہے اور نوافل تلاوت کیلئے علمی مشغولی کو مانع قرار دیا جاتا ہے آج افسوس ھیکہ تاجر کی سنتیں دیر میں پوری ہوتی ہیں اور طالب علم کی سنت جلد ختم ہو جاتی ہے چونکہ یہ اجتماع صرف طلباء کرام کا ہے اس لئے یہ معروضات نصیحت گزارش کر رہا ہوں تاکہ ہم کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم نے سنایا کہ حضرت شیخ الہند ہر جمعہ کو حضرت گنگوہی کی خدمت جایا کرتے تھے راستے میں ایک گاؤں پڑتا تھا ایک مرتبہ وہاں جب پہنچے تو ساتھ میں ایک بزرگ کے نواسے تھے مسجد میں بستی والوں سے تعارف کرایا کہ یہ فلاں بزرگ کے نواسے ہیں تو ایک دیہاتی بوڑھے نے کہا کہ جی! بزرگ کے نواسے ہوا کریں نماز تو خلاف سنت پڑھی کہنی زمین پر سجدہ میں بچھادی۔ تو بات یہی ہے کہ عوام ہماری نسبت ہمارے بزرگوں کے ساتھ جب تسلیم کرتے ہیں کہ اعمال بھی ہمارے ٹھیک ہوں ورنہ کچھ وقعت نہیں ہوتی آج ہمارے مدارس میں سبعہ معلقہ یاد کرنا آسان ہے اور مقامات یاد کرنا آسان ہے مگر نماز اور وضو اور کھانے پینے کی سنتیں یاد نہیں۔ مسجد میں آنے جانے کی سنتیں یاد نہیں پانچ سنتیں مسجد میں آنے کی ہیں اور پانچ سنت مسجد سے نکلنے کی۔ ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم آیا جو بیرون ہند کا تھا بال ہپی تھے میں نے حکم دیا ان کو منڈا دو یا کٹا دو اس نے عمل نہ کیا میں نے حکم دیا اگر ۴/ بجے شام تک یہ بال نہ کٹائیں تو ان کو مسجد مدرسہ سے باہر کردو۔

جائے جسے مجذوب نہ زاہد نظر آئے
بھائے نہ جسے رند وہ پھر کیوں ادھر آئے
فرزانہ جسے بننا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو وہ بس ادھر آئے
سو بار ہو منظور جسے اپنا بگڑنا
آئے وہی بس اور بچشم و بہ سر آئے

میں طلبا کو سگریٹ نوشی سے منع کرتا ہوں اسی منہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہو اور اسی منہ کو بدبودار کرتے ہو۔ ایک بابو میاں تھے بیس سال سے سگریٹ نوشی کرتے تھے میری گذارش سے تابو میاں ہوگئے یعنی ترک کردیا۔

ہر کام کو انجام دینے کیلئے تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے علم صحیح ۔۔ روشنی ۔۔ طاقت اور تمام زندگی کا مقصد جنت کا حصول اور جہنم سے نجات ہے ۔ علم صحیح کی قید اس لئے ھیکہ غلط علم سے عمل ضائع ہوجاتا ہے مثلاً کوئی شخص فرض عصر کے بعد نوافل پڑھتا رہے تو اخلاص مگر پھر بھی یہ عمل مقبول نہیں ہے کیونکہ مسئلہ اور قانون کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ اخلاص بھی شریعت کے مطابق ہی قبول ہوتا ہے روزہ تیس رمضان کا جنت کا راستہ ہے اور یکم شوال کا روزہ جہنم کا راستہ ہے کیونکہ شوال کو روزہ یعنی عید کے دن حرام ہے تو قانون کو جاننا بہت ضروری ہے آج اکثر صلحاء کے گھروں میں بھی پردہ شرعی نظر نہیں آتا اشراق و تلاوت اور تہجد اور وظائف کی پابندی تو نہایت اہتمام سے جاری ہے مگر چچی اور ممانی اور پھوپھی زاد خالہ زاد ماموں زاد بہنوں سے اور بھاوج سے پردہ نہیں کرتے ہیں شوہر کے بھائی سے تو نہایت سخت پردے کا حکم ہے اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت فرمایا۔

علم صحیح کے بعد پھر طاقت کی ضرورت ہے ۔ طاقت روحانی کیا ہے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خشیت انھیں دوچیزوں سے اعمال صالحہ کی اور گناہوں سے بچنے کی طاقت آتی ہے ۔

ہمارے ایک دوست جو اہل علم ہیں مجھ سے کہنے لگے کہ ہم قدوری اور کنز و شرح وقایہ اور ہدایہ میں جمعہ گاؤں میں پڑھنے کو ناجائز ہونے کا سبق پڑھتے رہے مگر عمل کی توفیق اور طاقت نہ تھی گاؤں والوں اور برادری کے خوف سے پڑھ لیا کرتے تھے بلکہ امامت بھی کرتے تھے ۔ ایک عرصہ دراز کے بعد ہم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے اہل اللہ کی صحبت کیمیا تاثیر نے قلب میں طاقت بخشی میں نے گاؤں میں جمعہ پڑھانا چھوڑ دیا اور آٹھ میل دور بڑے قصبہ میں جاکر نماز جمعہ ادا کیا کرتا رمضان میں بھی روزہ رکھے ہوئے ۸ میل چلنے کی توفیق ہوجاتی ۔ ایک سال اس طرح گذر ہوا جب اگلے سال عید کا دن آیا تو گاؤں والوں نے ہمارا گھیراؤ کیا اور کہا مولانا آپ کو عید اور جمعہ اسی گاؤں میں پڑھانے پڑیگی میں نے کہا ہرگز ایسا نہیں کروں گا کہنے لگے اب تک جمعہ اور عیدین یہاں کیوں پڑھاتے رہے کہا غلطی ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اگرچہ تمام گاؤں اور برادری ناراض ہو مگر میں اب خدائے تعالیٰ کو ناراض نہ کرونگا ۔ حضرت مجذوب خوب فرماتے ہیں ؎

سارا جہاں خلاف ہو پرواہ نہ چاہئے
مد نظر تو مرضی جاناں چاہئے

پھر یہی ہمارے دوست اب شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ ہیں اور شیخ نے اپنا جبہ عطا فرمایا۔

جس طالب علم کے دل میں خشیت اور محبت اللہ تعالیٰ کی عطا ہوجاتی ہے وہ یونیورسٹی میں بھی اگر جاتے ہیں وہاں بھی صالحین کی وضع قطع میں رہتے ہیں اور اکثریت سے مرعوب اور مغلوب نہیں ہوتے ۔ مگر محبت حق تعالیٰ کی کب غالب ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے یہ نعمت حق تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندوں کی صحبت اور محبت سے نصیب ہوتی ہے بقول اکبر الہ بادی ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

غالب اور مغلوب کا فرق

خام یعنی کچی صراحی میں اگر پانی داخل ہوتا ہے تو صراحی گھل کر تباہ ہوجاتی ہے اور پختہ

صراحی میں پانی جب داخل ہوتا ہے تو صراحی خود اسے ٹھنڈا کر دیتی ہے بجائے متاثر ہونے کے موثر ہوجاتی ہے غالب اور مغلوب کا خام اور پختہ کا یہی فرق ہوتا ہے۔

کونوا مع الصادقین

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور خشیت کا طریقہ حاصل کرنے کا یہی فرمایا ہے کونوا مع الصادقین اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو۔ اور طریقہ یہہ ھیکہ صادقین کی صحبت میں رہو صادقین کون ہیں اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ہر صادق متقی ہے اور ہر متقی صادق ہے صادقین کی تفسیر خود قرآن پاک سے الحمد اللہ ہوگئی۔ یہ بات ایک دن تلاوت کرتے ہوئے سمجھ میں آئی

خوف اور خشیت پر عمل آسان ہونیکی مثال

خشیت اور خوف پر عمل کے آسان ہونے کی مثال حق تعالیٰ نے حیدرآباد میں عطا فرمائی وہ یہ کہ ایک شخص نے پانچ ہزار روپے رشوت لئے خوش خوش گھر جارہا ہے کہ راستہ میں اس کا ایک دوست موٹر سیکل سے آیا اور کان میں بتایا کہ ان کے بعض نوٹوں پر دستخط ہیں اور پولیس تمھارے تعاقب میں ہے۔ آپ کو پھنسانے کیلئے یہ رشوت دیگئی ہے بس وہ شخص ان نوٹوں کو دیکھے گا بھی نہیں کہ کس نوٹ پر دستخط ہیں کس پر نہیں جلدی سے کسی گڑھے اور گڈے میں پھینک دیگا اور اس کے پھینکنے میں اس کو تکلیف کے بجائے خوشی اور چین محسوس ہوگا بس اسی طرح جب اللہ والوں کی صحبت اور خدمت سے اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور خشیت عطا فرماتے ہیں تو ہر گناہ کو آسانی سے چھوڑ دیتا ہے۔ اسے چھوڑنے میں تکلیف یا حسرت نہیں ہوتی بلکہ چین اور سرور محسوس کرتا ہے۔

پرانے ڈرائیور سے بھی اکسیڈنٹ ہوتا ہے

ارشاد فرمایا کہ پرانے ڈرائیور سے بھی اکسیڈنٹ ہوتا ہے ذرا چوکا اور گرا پرانے اہل علم اور اہل دین بھی جب اپنے نفس کی نگرانی سے ذرا بے فکر ہوئے حب جاہ اور حب مال میں مبتلا ہوگئے البتہ پیر کامل کا پیر جس کی گردن پر ہوتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے جس طرح کار کی بریک پر جب

تک ڈرائیور کا پاؤں ہوتا ہے کار تصادم سے محفوظ رہتی ہے اور یہی لوگ حقانی عالم کہلاتے ہیں کیا اگر کسی عالم کو بچپن میں تکبر اور جاہ یا مال کی محبت کی بیماری ہوگئی تو عالم ہونے سے یہ بیماری چلی جاویگی ہرگز نہیں بلکہ علم اور شہرت کے بعد اور اضافہ ہوگا تاوقتیکہ کسی اللہ والے روحانی معلج سے اپنے نفس کی اصلاح نہ کرائے اس کی مثال ڈاکٹر کی ہے ایک ڈاکٹر کے بچپن میں فرض کرلو اس کے گردے میں پتھری ہے تو کیا ڈاکٹر کی ڈگری سے اور یم بی بی یس ہوجانے سے وہ پتھری نکل جاویگی جب تک کسی ماہر کا علاج نہ کرائیگا یہہ بھی ڈاکٹر ہونے کے باوجود بیمار رہے گا پس اسی مثال سے عالم کو سمجھ لیا جاوے حضرت حاجی امداداللہ صاحب عالم نہ تھے مگر علما نے ان سے اپنے نفس کی اصلاح کرائی کیونکہ وہ اصلاح کے ماہر تھے جس طرح کوئی عالم قاری نہ ہو تو اس قاری سے نورانی قاعدہ پڑھیگا جو عالم بھی نہ ہوگا اس اصول پر انسان کی چھ قسمیں ہوں گی۔ عالم غیر عالم

۱۔ وہ عالم جس کے اخلاق درست نہ ہوں ۲۔ دوسرا وہ عالم جس کے اخلاق درست ہوں ۳۔ تیسرا وہ عالم جس کے اخلاق درست ہوں اور دوسروں کے اخلاق کی اصلاح بھی کرسکتا ہو

اسی طرح غیر عالم کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ عامی جس کے اخلاق درست نہوں ۲۔ عامی جس کے اخلاق درست ہوں ۳۔ وہ عامی جس کے اخلاق درست ہوں اور دوسروں کے اخلاق بھی درست کرنیکی صلاحیت رکھتا ہو پس یہ عامی نمبر تین والا اس عالم کے اخلاق کی اصلاح کرسکتا ہے جس کے اندر اخلاقی بیماریاں ہوں۔

نیک لوگوں کی صحبت تھوڑی دیر کیلئے بھی نفع بخش ہے۔

ارشاد فرمایا کہ گھر میں آنکھوں کا آپریشن ہوا اور روشنی آگئی انگلیوں کو شمار کرایا گیا صحیح جوابات ملے سفیدی اور سیاہی کا فرق نظر آنے لگا جب شام کو احباب آئے تو عرض کیا کہ آج تو مولانا روم کے اس شعر کا مطلب واضح ہوا صحبت نیکاں اگر یک ساعت است نیک لوگوں کی صحبت تھوڑی دیر کیلئے بھی کیا ہی نفع دیتی ہے۔ جس طرح جسمانی معلج کے چند منٹ آپریشن کے بعد آنکھوں میں نور لوٹ آیا اسی طرح اہل اللہ کی صحبت اگرچہ چند منٹ کی ہو دل کی کایا پلٹ دیتی ہے اور خیر و شر کا فرق نظر آنے لگتا ہے۔ جس کی آنکھ میں تمیز سفید و سیاہ کی عرصہ سے نہ تھی نور سے

محرومی تھی ایک کامل کی ہدایت پر عمل کرنے سے ان میں ایسا نور آگیا کہ سیاہی وسفیدی اور نور و ظلمت میں تمیز ہونے لگی اسی طرح اہل حق سے دور رہنے والوں کو جب ان کی صحبت ملتی ہے تو ان کی بھی آنکھیں کھل جاتی ہیں

تعلیم و تبلیغ سے اہم تزکیہ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ تعلیم اور تبلیغ میں ان دونوں سے زیادہ اہم تزکیہ ہے تزکیہ نفس نہ ہونے سے اگر جان بھی تبلیغ میں دیدیں بظاہر شہید بھی ہوجائے مگر حدیث ریا میں دیکھئے کیا انجام ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ جہاد نہ کیا تھا وہ جان دینے کے باوجود جہنم میں ڈالا جائیگا۔

ضابطہ کا راستہ دور کا بھی اور مشکل بھی

ارشاد فرمایا کہ دنیا کے خواص کے تعلقات سے دنیا کے کام جس طرح آسانی سے ہوجاتے ہیں اسی طرح آخرت کا معاملہ بھی ہے خواص اہل اللہ ہیں۔ ضابطہ کا راستہ دور کا بھی اور مشکل بھی اور اللہ والوں کے تعلقات سے راستہ آسانی سے طے ہوجاتا ہے شیخ کامل راستہ جلد طے کرادیتا ہے دنیا کے افسران دنیا کے خواص ہیں اور آخرت کے خواص اللہ والے کاملین اور مشائخ ہیں۔

گمراہ فرقوں کے بانی سب اہل علم ہیں

جب کار چلتی ہے تو ڈرائیور کا پاؤں اس کے بریک پر ہوتا ہے اور اس کے کان (ہینڈل) اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں پھر کار ٹھیک ٹھیک چلتی ہے اور ٹکر نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب مرید کی گردن پر شیخ کا پاؤں ہوتا ہے اور اس کے کان اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں تو وہ مرید بھی ٹھیک ٹھیک چلتا ہے اگر کار پر ڈرائیور نہ ہو تو سیدھے راستہ پر چلیگی مگر جہاں چوراہہ آئیگا وہاں ٹکر کھائیگی۔ اسی طرح جتنے گمراہ فرقے پیدا ہوئے ہیں انکے بانی سب اہل علم ہیں۔ لیکن سب کے سب بدون شیخ اور رہبر رہنے والے (ہیں) پس شروع شروع میں تو ٹھیک چلتے ہیں لیکن جب موڑ یا چوراہہ آتا ہے وہ بھٹک جاتے ہیں عجب وکبر میں مبتلا ہوتے ہیں کسی کی سنتے بھی نہیں ہیں۔

افاضات

ا

حضرت مولانا **شاہ محمد مسیح اللہ خاں** صاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ

بسلسلہ اصلاح نفس

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص تھے ان کو داڑھی کے بال نوچنے کی عادت پڑگئی تھی، یہ بری عادت تھی انھوں نے اس کا خود ہی علاج سوچا کہ یہ عادت ختم ہوجائے اور وہ یہ کہ سب سے کہہ دیا کہ جو مجھ کو روک دے گا اس کو ایک آنہ دیا کروں گا۔ لیکن یہ علاج اس عادت کو نہ چھڑا سکا۔ پیسے بھی خرچ کئے اور کام بھی نہ بنا اس کی وجہ کیا تھی۔

--وجہ یہ تھی کہ اس کا کسی تجربہ کار استاذ سے تعلق نہ تھا خود ہی علاج سوچ لیا کسی تجربہ کار سے نہ پوچھا تھا، جیسے خود طبیب وخود مریض اور مرض لاعلاج شفا کیسے ہو، اسی طرح عادت اللہ یہی ہے کہ اصلاح نفس بغیر شیخ (یعنی روحانی طبیب واستاذ) کے ممکن نہیں۔

--عالم ہوکر درسیات سے فارغ ہوکر جب شیخ کے پاس نہ جائے اس علم کا اپنے حالات پر انطباق نہیں ہوتا۔ نفس کے علاج کے لئے علم کافی نہیں، راہ طے کرنے کے لئے راہبر کی ضرورت ہے۔ علم ہونے کے باوجود بعض مرتبہ مرض تھا اس کو مرض نہ سمجھا یا مرض نہ تھا اس کو

مرض سمجھ بیٹھا، یا دو مرض ہیں ان میں سے پہلے کس کا علاج کرے کس کو ترجیح دے ۔ اسی طرح دو نیکیاں ہیں پہلے کس کو کرے ۔ ایسے موقع پر محض درسیات کا علم کافی نہیں بلکہ کسی صاحب فن کے پاس جانے کی ضرورت ہے جو اس راہ کو کھولے ۔

~~اسی طرح تحصیل فضائل وازالہ رذائل کا محض ایک دو مرتبہ ہوجانا کافی نہیں بلکہ رسوخ کی ضرورت ہے ۔ رسوخ اور ملکہ حاصل ہوئے بغیر کوئی کمال نہیں ۔ مثلاً کوئی ادنی سی تکلیف آئی اور ہم نے صبر کرلیا اور بس سمجھ لیا کہ ہم کو مقام صبر حاصل ہوگیا لیکن اس سے بڑی تکلیف آئی تو گھبرا گئے تو مقام صبر کہاں حاصل ہوا ۔ اسی طرح ایک نعمت پر شکر کیا دس پر شکر کرنا بھول گئے ۔ اسی لئے رسوخ اور ملکہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو بغیر شیخ کے حاصل نہیں ہوسکتا ۔

~~پھر اعمال دو قسم کے ہیں ایک اختیاریہ ۔ دوسرے غیر اختیاریہ ان میں اول کا یعنی امور اختیاریہ کا انسان مکلف ہے ۔ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں بنایا گیا ۔ اور امور شرعیہ سب اختیاریہ ہیں ۔ امور اختیاریہ میں استعمال اختیار ضروری ہے یعنی اپنے اختیار تک اپنے اختیار کو کام میں لانا ضروری ہے اور استعمال اختیار کے لیے ہمت کی ضرورت ہے ۔ ہمت سے کام لے ۔

~~اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم کو علم ہوگیا کہ امور اختیاریہ خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ ان کے استعمال اختیار کے لئے ہمت کی ضرورت ہے تو اب ہم ہمت کرلیں گے ۔ شیخ کی کیا ضرورت ہے ؟

~~جواب یہ ہے کہ اس علم کے بعد اس ارادے واختیار سے عملاً کام لینے اور ہمت کرانے کے لئے شیخ کی ضرورت ہے ورنہ اختلاط امور کے وقت ترجیح کون سکھلائے گا ۔ رسوخ وعدم رسوخ کا فیصلہ کون کرے گا ۔ خود فیصلہ کرنے میں غلطی کرے گا اور بجائے ایک راہ کے مختلف راہوں میں متردد حیران پھرے گا ۔ اس لئے عادت اللہ تعالی یہی ہے کہ شیخ کے بغیر یہ راہ قطع نہ ہوگی درسیات کے بعد اعمال درست کرنے کے لئے شروع سے دواماً یہی قاعدہ چلا آرہا ہے

کہ کسی مصلح کو تجویز کرے سوائے انبیاء علیہم السلام کے یہ قاعدہ سب ہی کے لئے ہے ۔ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنی ہیں ۔ کیونکہ ان کے مربی خود حق تعالی جل وعلا شانہ ہوتے ہیں ۔ وہ ان کو وقت پر متنبہ فرماتے رہتے ہیں ۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی ۔۔ میرے رب نے مجھے (دین کی) بہترین تعلیم دی اور مجھ کو میرے رب نے بہترین ادب سکھایا ۔

~~صحبت کی بڑی ضرورت ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی درستگی اور تزکیہ نفس محض علم ہی سے نہیں ہوا بلکہ صحبت پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں پوری تربیت فرمائی گئی تھی حق تعالی فرماتے ہیں ۔ یاایھا الذین امنو اتقو اللّٰہ و کونو امع الصدقین ۔۔ اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو اور جو لوگ (دین کے پکے اور) سچے ہیں ان کے ساتھ رہو ۔

~~اس میں معیت بمعنی محبت ہے ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حفاظت تقویٰ سے ہے ۔ کیونکہ ایمان کے بعد اتقو اللہ فرمایا اور تقوی کی حفاظت معیت صادقین سے ہے ۔ اور قاعدہ ہے کہ لازم کا لازم بھی لازم ہوتا ہے تو معیت صادقین بقا و کمال تقوی کو لازم ہے تو بقاء ایمان و کمال ایمان کے لیے معیت صادقین لازم ثابت ہوئی پس ایمان میں درجہ حدوث ایمان ہی کافی نہیں بلکہ اس کا بقاء مشکل ہوتا ہے یعنی عمل کرنے کے بعد اس کو ہمیشہ کئے جانا مشکل ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف حفظ کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کو باقی رکھنا مشکل ہے ۔

~~اسی طرح درسیات پڑھ کر جب تک دس بارہ سال نہ پڑھائے وہ علم باقی نہیں رہتا خواہ کیسی اچھی استعداد سے پڑھا ہو ۔ تو پڑھنے کے بعد اس کا بقاء مشکل ہوا ۔ مال کا کما لینا اتنا مشکل نہیں اس کو باقی رکھنا مشکل ہے ۔ جوانی آنے کے بعد اس جوانی کو درست رکھنا زیادہ مشکل ہے ۔ ڈاکٹری پڑھ لینے کے بعد مطب نہ کرنا اور محض ڈاکٹری کا پروفیسر ہوجانا کافی نہیں بلکہ اس فن کے لئے عملاً مطب کرنا بھی ضروری ہے ۔ وکالت پڑھ کر جب تک کسی تجربہ کار وکیل کے پاس نہ رہے محض وکالت پڑھ جانے سے وکالت نہیں کرسکتا ۔ معلوم ہوا کسی شئ کا حصول اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اس کا بقاء مشکل ہے ۔ اب سمجھ لیجئے کہ ایمان جیسی دولت کی بقاء کی شکل صرف تقوی ہے ۔

---اگر کفر وشرک ترک کردیا تو بے شک تقوی حاصل ہوگیا مگر اتنا ہی کافی نہیں بیشک ایمان لے آنے سے خلود نار نہ ہوگا لیکن عدم دخول نار کے لئے اس قدر تقوی کافی نہیں دخول نار کی نفی کامل ،ایمان کامل پر ہوگی اور ایمان کامل ہی کا نام تقوی ہے اور یہی مطلوب بھی ہے کہ دخول نار نہ ہو تو ایمان کے درجہ کفایت پر قناعت کرنا جائز نہیں بلکہ ایمان کے بعد ارشاد ہے کہ تقوی حاصل کرو اس لئے آمنو کے بعد اتقوا اللہ فرمایا۔ گویا ایمان کا سبب تقوی بنے گا،رہا سوال یہ کہ ایمان کا سبب تقوی کس طرح بنے گا تو اللہ پاک فرماتے ہیں دکونوا مع الصدقین۔ تو ایمان کا موقوف علیہ معیت صادقین ہوا ،لہذا معیت صادقین بہت ضروری ہوا۔

معیت کے معنی کیا ہیں، کسی کے پاس یکسو ہو کر سوء ظن سے بچتے ہوئے بیٹھنا یا حسن اعتقاد کے ساتھ بیٹھنا پھر جو کچھ وہ بیان کریں اس کے مطابق اپنے آپ کو پرکھتا جائے ، اپنے امراض کی طرف نگاہ رکھے۔ جو مرض معلوم ہو اس کا علاج کرے اور دیکھے کتنی میرے اندر برائیاں ہیں ،اور کتنی بھلائیاں ہیں اگر اس طرح سے خالی الذہن ہو کر آئے تو انشاء اللہ تعالی اس کو نفع ہوگا۔

---صدق کے معنی ہیں جس چیز کو جس طریقے سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح اس کام کو اس کے درجہ کمال سے کرنا۔ کمال کی قید اس لئے کہ ہوسکتا ہے کوئی صاحب اخلاص ہو مگر عمل میں کمال نہ ہو مثلاً کوئی کام رضاء الہی کے لیے اخلاص ہی سے کرتا ہے مگر کامل درجہ سے نہیں کرتا تو وہ صاحب اخلاص تو ہے لیکن صاحب صدق نہ ہوگا مثلا نماز میں اس کی نیت میں ریاکاری نہیں اخلاص ہے لیکن قیام، قیام کی طرح نہیں کرتا، رکوع کو، سجدے کو، جو اس کا کامل درجہ ہے اس طرح نہیں کررہا، تو یہ مخلص ضرور ہے مگر صادق نہیں اور عمل میں صدق مطلوب ہے ،تو ہوسکتا ہے اخلاص ہو صدق نہ ہو لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ صدق ہو اخلاص نہ ہو۔

--- اور حصول صدق وکمال کے لیے محض علم کافی نہیں۔ جب تک کسی صاحب صدق وکمال کو نہ دیکھے گا صدق وکمال نہ آوے گا۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنہم کے پاس جایا کرتے تھے اور ان سے پوچھتے تھے کہ تم بتاؤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے حالانکہ وہ صاحب

علم وصاحب لسان تھے۔ وضو کے فرائض وواجبات وسنن بھی جانتے تھے اس کے باوجود وضو کا طریقہ بھی سیکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ کرکے دکھایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے کرکے دکھلایا ہے اور فرمایا ھکذا کان وضوء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انھوں نے بھی بتادینا کافی نہ سمجھا ،اس طرح صحابہ کرامؓ نماز پڑھ کر بتادیا کرتے تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلوا کما رایتمونی اصلی۔ نماز اس طریقے سے ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتا ہوا دیکھتے ہو

معیت کا مقصد یہ ہوتا ہیکہ چیز کو چیز کے ڈھنگ کے ساتھ کرنا آجائے۔ طبیب کے پاس جب تک نہ بیٹھے اس کو عرق کھینچنا نہیں آسکتا۔ ہماری تمام زندگی عملی ہے محض علمی نہیں۔ اس لئے شیخ کی معیت وصحبت کے بغیر کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب یہ ظاہری چیزیں بغیر استاذ کے نہیں آسکتیں تو یہ باطنی امور بغیر مصلح کے کیسے حاصل ہوسکتے ہیں۔

ایمان ہے اسلام ہے بیشک یہ خلود نار سے بچنے کا سبب ہیں۔ مگر دخول نار سے بچنے کے لئے ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ تقوی کا حصول بھی ضروری ہے اور یہ ضابطے کی بات ہے ورنہ حق تعالی تو مختار کل ہیں لیکن وہ اپنے ضابطہ کے خلاف ہرگز نہیں فرمائیں گے۔ اگر متقی ہو پھر دوزخ میں چلاجائے ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے۔ سو ایمان حاصل کرلیا اب اس کے بقاء کی ضرورت ہے وہ تقوی میں ہے اور تقوی معیت صادقین سے حاصل ہے لہذا بدون معیت مشائخ چارہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ صرف ایک ہی شیخ کے پاس کیوں رہے جہاں طبعیت چاہے مختلف شیوخ سے تربیت کیوں نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی جبلت میں داخل ہے کہ اس کی طبعیت وتفکر بدلتا رہتا ہے قوت باطنی میں ایک تخیل ہے لہذا اس کو تردد اور شک بھی ہوتا ہے اور تردد کا رفع کرنا ضروری ہے تاکہ اطمینان قلبی حاصل ہوجائے اور اطمینان قلبی مطلوب ہے ، آیت کریمہ سے ثابت ہے دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان والے ہوتے ہوئے بھی یہ فرمایا ہے۔

رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی۔ اے رب مجھے دکھادیجئے آپ مردوں کو کسی طرح زندہ کرتے ہیں ،فرمایا اس پر تمہارا ایمان نہیں؟، کہا

ہاں ہے لیکن اپنے اطمینان قلب کے لئے ایسا چاہتا ہوں ۔یعنی احیاء پر ایمان ہے لیکن مشاہدہ کر کے اطمینان قلب کرنا چاہتے ہیں ۔اور عادۃ اللہ یونہی ہے کہ ایک کے ساتھ بندھ جانے ہی میں اطمینان قلب میسر ہوتا ہے ۔اس لئے اہل علم کو بھی ضرورت ہے کہ وہ اہل فن کے ساتھ بندھ جائیں ۔مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک سانڈ ہے بظاہر تو وہ بڑا آزاد ہے جہاں چاہے منھ مارلیا کھالیا نہ کوئی قید نہ بندش۔ بخلاف پالتو جانوروں کے کہ وہ اتنے آزاد نہیں وہ کھونٹے سے بندھے رہتے ہیں ۔لیکن ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اگر آپ اس سانڈ سے پوچھیں تو وہ یوں ہی کہے گا کہ میں ہوں تو آزاد مگر ایک دکھ ہے وہ یہ کہ میرا سرپرست کوئی نہیں ،اگر کوئی میرے پیچھے لاٹھی لے کر بھاگے یا کوئی دکھ تکلیف ہو تو کوئی یوں کہنے والا نہیں کہ تیرا کیا حال ہے ؟۔

اسی طرح آدمی کا کوئی سرپرست ہو تو اس سے پوچھ پوچھ کر کام کرتا رہے گا اور عمل کرتا رہے گا بے فکر رہے گا اطمینان ہوگا اور اطمینان ویکسوئی مطلوب ہے ۔مختلف جگہ سے پوچھنے سے اطمینان نہ ہوگا۔اور یک در گیر محکم بگیر کے بغیر اطمینان عادتاً ہوتا ہی نہیں۔

جب صحابہ کرامؓ میں صحابیت صحبت سے آئی تو دوسرے لوگ کس شمار میں ہیں کہ صحبت سے بے نیاز ہوجائیں ۔صاحب علم حضرات کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ۔علوم کی باریکیاں اس کے بعد نظر آتی ہیں۔

غور کریں:

اللہ ایک	----------	بندے بے شمار
رسول ایک	----------	امتی بے شمار
امام ایک	----------	مقلد زیادہ
باپ ایک	----------	اولاد زیادہ
میاں ایک	----------	بیوی چار
معالج ایک	----------	مریض زیادہ
اسی طرح پیر بھی ایک	----------	اور مرید زیادہ

اگر بندہ ایک خدا کئی ۔امتی ایک رسول کئی ۔مقلد ایک امام کئی ۔اولاد ایک باپ کئی ۔ بیوی ایک اور خاوند اس کے کئی ہوجائیں تو کس طرح اطمینان حاصل ہوسکتا ہے ؟اور مطلوب ہے اطمینان جو بغیر بندھے ہوئے حاصل نہیں ہوسکتا۔

دیکھئے مطلوب تو پیٹ بھرنا ہے اس کے لئے خالی کھیت کافی نہیں اگر اس میں تری نہ ہو تو محض بیج ڈال دینا کافی نہیں ،پھر بیج ڈالنے کے بعد پانی نہ دیا تو بے کار اس بیج کے بقاء کے لئے سب متعلقہ امور کرنے پڑتے ہیں پانی دو ،رکھوالی کرو ،بقاء زراعت کی تدبیر کرنا بھی لازمی ہے اگر بقاء زراعت کی کوئی تدبیر نہ کرے تو مقصود جو روٹی کھانا ہے حاصل نہیں ہوسکتا ان تمام امور کے بجالانے سے انسان کو اطمینان قلبی مطلوب ہوتا ہے ۔سو اطمینان مطلوب ہے اور وہ صرف ایک کے ساتھ ہوجانے میں ہے ۔

دیکھئے نائبان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی فقہا کرام فرماتے ہیں کہ تقلید کرنا فرض ہے اور ائمہ مجتہدین کئی ہیں لیکن تقلید صرف کسی ایک امام کی کرنا واجب ہے اور متعدد ائمہ کی تقلید کی جائے کبھی کسی امام کی کتاب میں مسئلہ دیکھ لیا کبھی کسی کتاب سے دیکھ لیا اہل علم اس کو تلفیق کہتے ہیں جو ناجائز ہے اس سے نفس پرستی سہل الحصولی ہوجائے گی تو جب فقہ ظاہری میں تقلید شخصی واجب ہے تو تصوف یعنی اصلاح باطن کے لئے بھی ایک ہی شیخ کی اتباع ضروری ہے ،اتفاق سے ائمہ مجتہدین جو مشہور ہیں چار ہیں ۔اور تصوف میں بھی چار ہی سلسلے ہیں ۔اب ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیا جائے کافی ہے ۔فقہ میں دوسرے ائمہ کی کتابیں یہاں بہت کم ملتی ہیں ۔احناف کا مسئلہ آسانی سے مل جاتا ہے پھر اساتذہ اور مفتیان کرام اسی حنفی مسلک کے ملتے ہیں ۔مدارس بھی احناف کے ہیں اس لئے یہاں احناف کا مسلک اختیار کرنا چاہئے ۔اسی طرح باطنی سلاسل میں چشتیہ حضرات معلوم ومشہور ہیں ،وہی کافی اور ضروری ہیں۔

اور جس طرح امام ابوحنیفہ کے شاگرد در شاگرد چلے آرہے ہیں ،امام ابوحنیفہ تو موجود نہیں بلکہ ان کے مسلک کے علماء سے رجوع کیا جائے گا ۔اس طرح مشائخ تصوف بھی نہیں رہے ان کے خلیفہ کے خلیفہ چلے آرہے ہیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔اس کے بغیر چارہ نہیں۔

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ اب وہ پہلے والے جیسے مشائخ نہیں رہے جو ان کا اتباع کریں ۔ میں نے سہارنپور کے قریب ایک مقام پر جلسے میں اس اعتراض کا جواب دیا تھا ۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم اور مولانا مفتی سعید احمد صاحب موجود تھے میں نے کہا کہ اب وہ علماء کہاں جو پہلے تھے حضرت مولانا گنگوہی و حضرت مولانا نانوتوی جیسے کہاں ہیں تو کیا شرع پر چلنا چھوڑ دیا جائے گا؟ جواب: نہیں۔

تو اسی طرح اگرچہ وہ مشائخ موجود نہیں مگر ان کے نائبین و خلفاء تو موجود ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا اگر ایسا نہ کیا جائے تو جیسے علماء سے دور ہوجائیں گے ۔ اسی طرح تصوف سے بھی دور ہوجائیں گے ان جیسے علماء حضرات کے لئے ویسے مشائخ تھے اور اب ان جیسے علماء کے لئے ان جیسے مشائخ موجود ہیں۔

حضرت ناظم صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور میری پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "خوب فرمایا" غرض یہ ایک خطرہ ہے کہ اب ایسے مشائخ کہاں ہیں، یوں تو اس وقت بھی ایسے لوگ موجود تھے جو کہتے تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی عالم فقیہ تو بے بدل ہیں لیکن بزرگی اور چیز ہے۔

صاحبو: اس خیال خام سے پرہیز چاہئے یہ سخت خطرہ ہے بزرگوں کی نظر سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے "دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا"

اس نظر سے بھی مراد معیت ہی ہے ، نظر چند قسم پر ہے نظر عینی ، نظر تعلیمی ، نظر قلبی ۔ آنکھ سے دیکھنا توجہ کرنا نظر دعائی ہے ، دل سے متوجہ ہونا نظر قلبی ہے ، یہ سب نظریں بمعنی توجہ ہیں۔

نظر ایک ایسی شئ ہے کہ اس کا اثر ضرور ہوتا ہے خواہ ظاہراً معلوم ہو یا نہ ہو ۔ حضرت فرماتے تھے ۔ اہل علم اپنے بچوں کو تعلیم تو دیتے ہیں مگر صحبت کا ان کو بھی شوق نہیں ۔ اہل صدق و اہل صلاح کے پاس بھی بچوں کو لے جانا چاہئے ۔ ورنہ چھٹیوں میں ان کو وہاں بھیجدیں۔

حضرت کے یہاں بھی علی گڑھ کے طلبہ آتے تھے بڑے شوخ بھی ہوتے تھے شروع میں خانقاہ سے باہر مکان میں قیام کا انتظام کر دیا جاتا تھا ، جب حضرت ان کی قیام گاہ کے

پاس سے گزرتے تو تالیاں بجانے کی آوازیں آیا کرتی تھیں ، لیکن حضرت ان کو کچھ نہ کہتے تھے ۔ ان پر خانقاہ میں آنے کی کوئی پابندی نہ تھی لیکن خانقاہ میں جب وہ طالب علم آتے تو کچھ شوخی نہ کرتے تھے ۔ بالآخر اسی طرح آنے جانے سے کافی درست ہوگئے ۔

"دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا"

حاصل یہ کہ ابتداء کلام یہ تھا کہ ایمان کا بقاء و کمال موقوف ہے تقوی پر اور تقوی کا حصول و بقاء موقوف ہے معیت صادقین پر۔

صادق الحال وہ شخص ہے جو اپنے حال میں سچا ہو اگر ظاہر حال میں درویش ہو اور باطن میں خلا ہو تو وہ صادق نہیں جیسے بعض دعوی کرتے ہیں کہ وہ بیت اللہ میں جاکر نماز ادا کرتے ہیں ۔ صادق الحال تو صادق القلب والفعل ہوتا ہے ۔ فعل و عمل میں فرق ہے ۔ عمل تو ارادے اور قصد سے ہوتا ہے لیکن فعل عام ہے جو بلاقصد بھی ہوتا ہے ۔

ارادی و غیر ارادی دونوں طرح ہوتا ہے ۔ عمل جوارح سے گزر کر قلب کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ علیہا الرحمۃ جب خانہ کعبہ گئیں تو انوار الہی جو خانہ کعبہ پر ہمہ وقت آتے رہتے ہیں وہ انوار رابعہ بصریہ کی طرف ہوگئے جیسا کہ استقبال کر رہے ہوں حضرت ابراہیم بن ادہم بھی ہر ہر قدم پر نفل پڑھتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے تھے ۔ انھوں نے حضرت رابعہ سے فرمایا کہ یہ کیا شور مچا رکھا ہے کہنے لگیں میں نے یا تم نے ، کہ ہر ہر قدم پر نفل ہیں ۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ اس کے باوجود کعبۃ اللہ تم کو تو لینے گیا مجھے لینے نہ گیا ۔ فرمایا کہ تم سر نیاز کے ساتھ آئے ہو میں قلب نیاز کے ساتھ آئی ہوں۔

ہم لوگوں کو تو ایک عادت ہوگئی ہے نماز میں خشوع و خضوع کی ایسی عادت پڑ گئی جیسے کسی کو چھوٹے لقمے سے اور کسی کو بڑے لقمے سے کھانے کی عادت ہوجائے ، بظاہر خشوع و خضوع معلوم ہوتا ہے قلب متوجہ نہیں دوسرے کو ہمارے ظاہری سکون سے پڑھتے ہوئے دیکھ کر دھوکہ ہوجاتا ہے ۔ لیکن اللہ جل شانہ سے کیا چھپ سکتا ہے ۔ خضوع و خشوع میں استحضار ہونا چاہئے ۔

یہی تغلب استحضار کا نام معیت حق ہے ۔

وساس کا خود بخود آنا خضوع وخشوع کے خلاف نہیں ۔ لیکن بعض مرتبہ وسوسہ ابتدا تو غیر اختیاری ہوتا ہے مگر انتہاء اختیاری ہوجاتا ہے اور نمازی دھوکہ میں رہتا ہے ۔ ایسے امور کی راہبری کے لئے بھی شیخ کی ضرورت ہے ۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ سنئے ؛ حضرت کے پاس ایک شخص آیا ، اس نے سوال کیا حدیث شریف میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت سے طاعون پھیلتا ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا ۔ فرمایا اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا یا اس کا تطابق ۔ جواب ملا مفہوم تو آسان ہے اس کا تطابق اور جوڑ مشکل ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا ۔ فرمایا سمجھ میں نہ آیا تو کیا ہوا ۔ عرض کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا ولکن لیطمئن قلبی ۔ فرمایا اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو اطمینان ہوگیا تھا تو آپ کو بھی ہوجائے گا ۔ یہ دینیات کے پروفیسر تھے چلے گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ اصل جواب یہی ہے ۔ پھر دوسرے وقت حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا گیا تھا اور وہ پیغمبر تھے ۔ اگر میں دلیل عقلی سے سمجھاتا اور چونکہ دلیل عقلی میں ایک درجہ امتناع کا ہے کہ مخاطب کو سکوت ہوجائے ۔ اس سے اطمینان قلب کیسے ہوسکتا ہے جیسے اللہ تعالی تصور میں نہیں آسکتے اس سے وراء الوراء ہیں ۔ ہاں ان کا دل سے ذکر کرو ۔ ذکر کثرت سے ہو اور مداومت سے ہو تو وہ روئیں روئیں میں سماجائیں گے ۔ مشاہدہ ہی کی کیفیت ہوجائے گی ۔ یوں تو سب کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ حاضر وناظر ہیں عقیدہ ہے مشاہدہ نہیں ۔ اس لئے کہ ذکر نہیں مراقبہ نہیں روزانہ اگر مراقبہ ہو تو وہ حالت ہوجائے گی جیسے کسی شیخ نے مریدوں کو بعد مراقبہ کہا تھا کہ کبوتر وہاں سے ذبح کرکے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو ، تو جو رسوخ کو پہنچ گیا ہو زندہ لے آیا کہ حضور کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں وہ نہ ہوں ، اور آپ نے کہا تھا جہاں کوئی نہ ہو وہاں ذبح کرنا ، وہ تو ہر جگہ موجود تھے ۔ ذبح کیسے کرتا ، تو یہ گمان کہ بلا دیکھے تصور کیسے ہوسکتا ہے ، پھر صوفیاء نے یہ تصور باری تعالی کا کہاں سے نکالا کہ بلا دیکھے تصور ۔ یہ بے چاروں کی ناواقفیت کی دلیل ہے ناتجربہ کاری ہے ۔ کسی شیخ نے اپنے مرید کو بھینس کا مراقبہ کرایا تھا جب مراقبہ سے

فارغ ہو کر باہر آنے لگا تو کہتا ہے کہ باہر کس طرح آؤں دروازے میں تو بھینس کھڑی ہے ۔ حالانکہ وہاں کوئی بھینس نہیں تھی بس نگاہ میں سماگئی تھی دل میں بس گئی تھی ۔ اسی طرح اللہ تعالی کا ذکر ہے سو المشاھدہ کالمعائنہ

اطباء لکھتے ہیں کہ بعض کیفیات دماغیہ ایسی ہیں کہ شیر حقیقتا موجود نہ بھی ہو مگر اس کیفیت سے تصور کیا جائے کہ شیر موجود ہے تو شیر نظر آنے لگ جاتا ہے اس کا پنجہ مارنا اور خون کا ٹپکنا دکھائی دیتا ہے ، یہ سب تصور ہی کے تو کرشمے ہیں ۔ تو اگر اللہ تعالی کا تصور کیا جائے تو یہ کیا مشکل ہے ؟ ۔

ان واقعات سے سالکین کو تسلی دینا مطلوب ہے سالک کو چاہیئے کہ شیخ کی تعلیم کو سرسری نہ سمجھے بلکہ حقیقی سمجھے ، شیخ کی ہر بات واقعی ہوتی ہے ۔ اس قوت اعتقادی کو پیدا کرنے لئے معیت کی ضرورت ہے اور شیخ سے مناسبت ہونا بھی معیت سے حاصل ہوتی ہے ۔ معیت تلاش کرنی چاہیئے خواہ بستی میں ہو یا غیر بستی میں ، کیونکہ بستی میں نفع اٹھانے والے کم ہوتے ہیں ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی نفع اٹھانے والے بستی والوں سے زیادہ دوسرے لوگ ہی ہوئے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مکہ معظمہ والوں نے اتنا نفع نہیں اٹھایا جتنا دوسرے لوگوں نے اٹھایا ۔ مدارس عربیہ میں یہی حال ہے بستی کے طلباء کم ہوتے ہیں باہر کے زیادہ ہوتے ہیں ۔ بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ منبع فیض سے دور رہنے والے بعض ظاہری قرب والوں سے بھی زیادہ فیض یاب ہوتے ہیں ۔ حضرت اویس قرنی ظاہرا دور تھے لیکن قلب سے قریب تھے ، کیونکہ والدہ کی خدمت اور امتثال امر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آسکے ۔

معلوم ہوا کہ شیخ سے دور رہ کر بھی شیخ سے وابستگی ہوسکتی ہے ، بعض قریب بعید ہوتے ہیں اور بعض بعید قریب ہوتے ہیں ۔ بشرطیکہ مکاتبت کا سلسلہ ہو ، اعتماد واعتقاد اور اطلاع وانقیاد کا التزام ہو ۔

تقوی کے درجات ہیں ۱ ۔ شرک وکفر کو چھوڑنا ، یہ خلود نار سے مانع ہے ۔

۲ ۔ فرائض وواجبات ظاہرہ وباطنہ کا بجالانا ، حرام مکروہ تحریمی ، معاصی ومنہیات ظاہرہ وباطنہ کو ترک کردینا یہ دخول نار سے مانع ہے ۔

٣۔ مشتبہات سے بچنا، مستحبات کو ادا کرنا یہ بلندی درجات وزیادت قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

ظاہری احکام فرائض وواجبات، سنن، مستحبات حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی جس طرح امور اختیاریہ ہیں اسی طرح احکام باطنی یعنی اخلاق حسنہ، صبر وشکر وغیرہ اور رزائل کبر، نخوت اور عجب وغیرہ بھی امور اختیاریہ ہیں اس میں اپنی ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن صحت عادۃً بغیر سرپرست کے نہیں ہوسکتی۔ اس لئے سرپرست اور شیخ بنانا ضروری ہے اور اس حد تک ضروری ہے کہ ملکہ ورسوخ پیدا ہوجائے۔ رہا یہ کہ رسوخ کی پہچان کیا ہے وہ یہ کہ ایسا مقام پیدا ہوجائے کہ اعمال واخلاق حسنہ بغیر سوچے سمجھے خود ہونے لگیں یا ادنیٰ التفات سے بدون اشتغال علاج تدبیر یا فوراً انتقال ذہن الی التدبیر ہوکر اس خلق حسن کے مقتضیٰ پر عمل ہونے لگے اور خلق مذموم کے ارتکاب سے پرہیز ہونے لگے۔ اس میں دیر وسویر مناسبت پر ہے اور مناسبت یہ ہے کہ شیخ کے قول وفعل وحال اور کسی تعلیم پر دل میں اعتراض نہ آئے۔ اگر آئے ناگوار ہو، اتار چڑھاؤ نہ ہو ان کی جھڑکی اور غصہ پر بھی دل میں محبت اور وابستگی ہو۔ کہ

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

ڈانٹ پر بھی مزا آنے لگے یہی مناسبت ہے۔ ایک صحابی تھے انہوں نے اپنے آپ کو ستون سے اس لئے باندھ لیا تھا کہ ان کے پاس نصرانی بادشاہ نے خفیہ رقعہ بھیجا۔ اس نے ان کو اپنے پاس بلانا چاہا کہ باوجود اس قدر تمہاری قربانیوں کے تمہارے ساتھ یہ رواداری وبرتاؤ؟

اللہ اللہ! ان صحابی کو اس رقعہ پر رونا آیا کہ افسوس لوگ مجھ میں یہ طمع کرنے لگے ہیں کہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ ملنا گوارا کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے خود ہی اپنی غلطی پر خود کو بطور سزا ستون سے باندھ لیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اپنے شیخ ومرشد کے ساتھ مناسبت کیسی ہونی چاہیئے۔ نفع کسب مناسبت پر موقوف ہے۔

٢

نور نبوت و نور علم

(ارشاد فرمایا) اس وقت دن ہے، روز روشن کی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور ایک روشنی ہماری آنکھ کے اندر ہے۔ یہ دونوں روشنیاں ملکر کام دے رہی ہیں۔ اور اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے، آمنے، سامنے بیٹھنے کی آسانیاں حاصل ہورہی ہیں، یہ دونوں روشنیاں ہر چیز کو روشن کئے ہوئے ہیں، ہر چیز نظر آرہی ہے باہر صحن میں بھی نظر آرہی ہے، گھر میں بھی نظر آرہی ہے۔ لیکن جب لیل (رات) کا وقت ظلمت کدہ بنکر آجاتا ہے تو اپنی آنکھ کی روشنی بھی کہاں چلی جاتی ہے کہ اپنے کمرہ میں آپ ہیں اور اپنا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ کیوں نظر نہیں آتا چشم رو (آنکھ) تو موجود ہے، روشنی کہاں چلی گئی؟ کہیں نہیں گئی وہ تو موجود ہے، اگر چلی گئی ہوتی تو دن کی روشنی میں کیوں نظر آتا۔ تو آنکھ کی روشنی دن کی روشنی میں تو کام دے رہی ہے اور رات میں آنکھ کی روشنی کام نہیں دے رہی ہے ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کمرہ میں بجلی جل رہی تھی، بیٹھا ہوا کام کررہا تھا، بجلی گل ہوگئی، اندھیرا ہوگیا، چارپائی ذرا فاصلہ سے پڑی ہوئی ہے، ٹٹولتا ہوا جارہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دیوار لگ جائے۔

بصارت کو نور آفتاب کی ضرورت ہے

تو دیکھئے روشنی اپنی آنکھ کے اندر موجود ہے وہ کہیں چلی نہیں گئی۔ کہیں بھاگ نہیں گئی لیکن اس نور کو جو اپنے اندر ہے نور آفتابی (سورج کی روشنی) کی مدد نہیں مل رہی ہے۔ تو اپنا نور اپنے پاس ہوتے ہوئے بھی بلا دوسرے نور آفتابی کی مدد کی کام نہیں دے رہا ہے بینا ہو کر نابینا جیسا چل رہا ہے آہستہ آہستہ ٹٹولتا ہوا چل رہا ہے یہ حسی اور بصارتی مثال ہے کہ بصارت کام نہیں دے رہی ہے حالانکہ اس کے اندر بصارت وبینائی (خزانہ نور) موجود ہے مگر کیا کیا جائے باہر کی استمداد واعانت نہیں ہورہی ہے اس لئے اپنی بینائی کی طاقت کا حصول بھی بیکار

ہے بینا ہو کر نا بینا ہے ۔

بصیرت کو نور نبوت کی ضرورت ہے

ٹھیک اسی طرح اور کہیں اس سے زیادہ کہ اپنے اندر عقل انسانی بھی ہے اپنے اندر قوت ادراک یعنی بصیرت قلبی بھی ہے اور اپنے اندر بالقوہ قوت علمی بھی ہے یہ منطق کی اصطلاح ہے تو بالقوہ قوت علمی بھی ہے ۔ بالقوہ قوت بصیرت بھی ہے ۔ قوت عقلی بھی ہے ۔ لیکن تمام اندرونی (قوتیں) ہونے کے باوجود جب تک باہر کے نور نبوت سے اسکو استعانت نہیں ہوگی اس وقت تک یہ سب قوت عقلیہ ۔ قوت علمیہ ۔ قوت بصیرت ۔ کارفرما نہیں ہو سکتیں قوت ہے ۔ مگر کام کی نہیں ۔ بینائی قلب ہے ۔ بینائی ادراک ہے ۔ لیکن وہ کام نہیں دیتی جیسے بلا نور آفتاب کے یہ نور عین آنکھ رات کو بینا ہو کر نا بینا ہے ۔ تو محض اپنی قوت عقلیہ ۔ قوت ادارکیہ ۔ قوت علمیہ ۔ جب تک کہ نور نبوت کی شعائیں اس نور عقل پر نہیں پڑیں گی اس وقت تک یہ نورانیت کارفرما نہیں ہو سکتی اس لئے اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہیں کہ نور آفتاب (بنوت) کو ساتھ لے کر چلو "بات آئی خیال شریف میں" اور اگر نور آفتاب نہیں ہے نور قمر کو ساتھ لے کر چلو ۔ اگر نور قمر نہیں ہے تو نور نجم کو لے کر چلو ۔ اگر کسی وقت نہ نور آفتاب رہا ۔ نور قمر ۔ نہ نور ستارہ رہا تو کسی طرح سے چلو گے ؟ ۔

ایک حسی مثال

آپ صاحبوں نے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر میں نے کئی دفعہ ایسا دیکھا ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت ہے گھٹا شروع ہوئی ۔ اتنی زور کی آندھی اور گھٹا آئی اور اتنا اندھیرا ہو گیا کہ اپنا جسم بھی نظر نہیں ارہا تھا ۔ ایسا کئی دفعہ ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان ہے مگر ایسا معلوم ہوا عشاء کا وقت ہو گیا ۔ کبھی عصر اور مغرب کے درمیان ایسا معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ہو گیا چلو مغرب کی نماز پڑھیں ۔ گھڑی دیکھی تو وقت باقی ہے تو بینائی آنکھوں کی موجود تھی اور دن

بھی موجود تھا ۔ آفتاب کہیں چلا نہیں گیا تھا مگر آفتاب کے اور اس شخص کے درمیان کوئی دوسری چیز ایسی حائل ہو گئی کہ نہ نور آفتاب رہا اور نہ قمر رہا نہ نور ستارہ رہا نہ خود اپنا نور نظر رہا کہ اس نور کو دوسرے کی طرف سے جو اعانت پہونچ رہی تھی وہ سب نور ایسے مستور ہوئے جیسے کہ معدوم ہوں تو یہ نور بھی بیکار ہو گیا ۔ "یہ کلام تمثیلی ہے" ان دنیاوی مثالوں سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی ضروریات میں باوجود قوٰی صحیح ہونے کے جب تک بیرونی امداد نہیں ملتی تو وہ قوٰی بھی صحیح کام نہیں دیتے ۔ تو پھر بھلا بلا نور نبوت کے منزل مقصود (آخرت) تک پہونچنے کا صحیح صحیح راستہ اور صحیح صحیح نعمتوں کی بوچھار ہوتے رہنے کا مورد کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ جب تک روشنی نہ ہو تو ہم اندھیرے میں اپنی چارپائی کی مختصر منزل تک کو طے نہیں کر سکتے دیا سلائی اٹھا کر لالٹین جلانا چاہتے ہیں بلکہ بعض وقت دیا سلائی اور موم بتی کے پاس پہونچنا بھی مشکل ہوتا ہے تو بھلا منزل اصلی (آخرت) تک پہونچنا بلا نور نبوت کے کیسے ہو سکتا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ منزل مقصود (آخرت) تک پہونچنے کے لیے نور نبوت کی اشد ضرورت ہے ۔

نور صحابہؓ کی ضرورت

اور نور نجم (صحابہ) کی بھی ضرورت ہے اس حدیث کی رو سے اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھدیتم نور صحابہ تاروں کی طرح سے ہے کہ ان تاروں میں سب سے تارے برابر نہیں ۔ قمر تو ایک ہے شمس بھی ایک ہے مگر تارے بہت ہیں اور سب کی روشنی برابر نہیں ۔ اس عالم مخلوق میں نور آفتاب جو اصل تھا قمر نے اس نور آفتاب سے استفادہ کیا علم ہئیت میں لکھا ہے کہ نور قمر مستفاد ہے نور آفتاب سے اور نور نجم مستفاد ہے نور قمر سے اور تارے ایک نہیں بہت ہیں ۔

آفتاب چلتے چلتے قمر سے کہہ کر گیا تو میری جگہ کام کرنا ۔ اگرچہ ہم اس کی بولی سنتے ، سمجھتے نہیں مگر سب بولی بولتے ہیں ۔ جتنی اشیاء زمین و آسمان میں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں ۔ (قال اللہ تعالیٰ وان من شئی الا یسبح بحمدہ الایہ ۔ پ ۱۵ ع ۴) اور قمر بھی چلتے چلتے تاروں سے کہہ گیا کہ اب میں تو جارہا ہوں تم میری قائم مقامی کرنا اور قائم مقامی وہی نائب کرتا ہے جو متصف بصفات اصل ہو ۔ یہ سلسلہ اس عالم (خلق) میں درجہ بدرجہ نیابت در نیابت قیامت تک کیلئے قائم ہے ایسے ہی عالم امر

میں درجہ بدرجہ نور نبوت کا جو قائم مقام ہے وہ بھی نیابت در نیابت اور وہ نور نبوت مستفاد مستفیض بنورالٰہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع الانوار ہیں

جمیع انبیاء اور جمیع ملائکہ کے تمام انوار آپ کے اندر موجود ہیں کیونکہ تمام عالم کا وجود آپ کے نور نبوت سے موجود ہوا ہے یہی وہ نور نبوت تھا جو آدم علیہ السلام کے اندر موجود تھا پھر انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا ہوا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا ظہور ہوا۔ جب آپ کی بعثت کا مقصد مکمل ہوگیا اور یہ قیامت تک کے لیے ہے۔ تو آپ کا نور نبوت مثل نور آفتاب وقمر کے ہے۔

صحابہ استفادہ میں مثل ستاروں کے ہیں

اور نور صحابہ مثل نور ستاروں کے ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے مختلف قسم کے ہیں کوئی چھوٹا ستارہ کوئی بڑا ستارہ، میرے جانے کے بعد ان سے استفادہ حاصل کرتے رہنا۔ آنکھیں بند نہ کرنا، ذرا شعور سے کام لینا۔ اور صحابہؓ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین، علماء حقانی، صوفیائے ربانی ان کے قائم مقام ہیں کیونکہ وہ صفات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تھے وہی صفات (نور نبوت) من حیث الاستفادہ نقلا بعد نقل برابر چلے آرہے ہیں تو جن حضرات (صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، علماء حقانی صوفیاء ربانی) کے اندر (نور نبوت) ہیں وہی حضرات اس قابل ہیں کہ ان سے استفادہ واستفاضہ کیا جاوے۔

نور نبوت علم ہے

اسی نور نبوت کا نام علم ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاذ صاحب سے اپنے سوحفظ کی شکایت کی۔ اور سوء کے معنی ہیں برا یعنی حافظہ کے برا ہونے کے شکایت کی شکوت الی وکیع سوء حفظی۔ میں نے اپنے استاذ وکیع سے اپنے خرابی حافظہ کی شکایت کی فاوصانی الی ترک المعاصی، سوانھوں نے مجھ کو گناہ چھوڑنے کی وصیت کی۔

میں نے بزبان حال عرض کیا کہ کیوں؟ گناہ کو سوء حفظ میں کیا دخل ہے امام وکیع نے فرمایا

فان العلم نور من الہ، ونور اللّٰہ لا یعطی لعاص (کہ علم اللہ تعالی کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہ گار کو نہیں ملتا) گویا کہ امام وکیع یوں فرمارہے ہیں، ارے بچے تو نے اپنے نور علم کے بارے میں سوال کیا ہے اس لئے میں جواب میں کہہ رہا ہوں کہ علم حقیقی نورالہی کا نام ہے یہ جو علم حقیقی ہے اس نور الہی کی تعبیر اور نورالہی الہ حقیقی کی مخالفت کر کے کیسے آئے گا اب صغری، کبری ملا کر نتیجہ ظاہر ہے۔

نورالہی معصیت کیساتھ حاصل نہیں ہوسکتا

علم جو کہ نورالہی ہے معصیت کر کے حاصل نہیں ہوسکتا اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب علم، نورالہی ہے تو علم (حقیقی) دن ہوا اور معصیت جو مثل (ظلمت) ہے رات ہوئی۔ تو تم رات میں دن کو تلاش کر رہے ہو۔ تو بھلا رات میں دن اور ظلمت میں نور ملنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور ان حضرات اکابرین کا مرجع کلام بھی آیات واحادیث ہی ہوتا ہے جیسا کہ احقر بتوفیقہ تعالی حضرت والا نوراللہ مرقدہ کی برکت سے بکثرت اکابر کی ہر بات کو آیات واحادیث سے مستدل بدلائل کر کے پیش خدمت کرتا رہتا ہے۔

معصیت کے ظلمت ہونے کی دلیل

چنانچہ امام وکیع کے اس استدلال کی بھی دلیل سنئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی معصیت کرتا ہے تو دل کے اندر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے، اگر توبہ کرلے تو نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر گناہ کرتا چلا جائے تو وہ نقطہ سیاہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ دل پر چھا جاتا ہے (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۰۴) لیجئے حدیث شریف سے ثابت ہوگیا کہ معصیت ظلمت ہے کیونکہ یہ سیاہ نقطہ اندھیرا ہے یا روشنی؟ تو یہ معصیت ظلمت ہوئی یا نور؟ ظاہر ہے کہ ظلمت ہے۔

ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے۔

کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ ظاہر کا اثر باطن میں پہونچتا ہے اور باطن کا اثر ظاہر پر پہونچتا ہے مثلاً کسی نے کسی کو برے برے الفاظ کہے تو یہ چہرہ پر زردی کیوں آئی اسی لئے کہ ان برے الفاظ کا اثر جو ظاہر سے نکل رہے تھے۔ دل پر باطنا پڑا، پھر دل کا اثر چہرہ پر زردی کی شکل میں نمودار ہوا

۔اس لئے چہرہ پر زردی آگئی۔اسی طرح کسی نے کسی کے منہ پر طمانچہ مارا، تو طمانچہ تو جسم پر لگا مگر یہ آنکھوں میں آنسو کہاں سے آئے اس طمانچہ ہی کا اثر دل نے لیا، اور دل کے اثر کا اثر جسم پر پڑا اسلئے آنکھوں میں آنسو آگئے تو ظاہر باطن کا شاہد ہے اور باطن ظاہر کا گواہ۔

الغرض تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ یہ نور جس کی تعبیر ہمارے الفاظ میں علم ہے وہ نور علم نور نبوت سے مستفاد ہے اور نور نبوت نور الٰہی سے مستفاد ہے۔

نور نبوت کی مثال

جیسے پاور ہاؤس (بجلی کا خزانہ) جہاں بجلی بنتی ہے ،تمام روشنیوں کا تعلق اسی پاور ہاؤس سے ہے اگر کسی بلب کا تعلق پاور ہاؤس سے کٹ جائے تو پھر بھی بجلی مل سکتی ہے ؟۔ نہیں ہرگز نہیں مل سکتی۔اسی طرح جس علم کا، تعلق نبوت کے پاور ہاؤس سے نہیں ہے اس کو ہدایت کی روشنی ہرگز نہیں مل سکتی اور جس کا تعلق نور نبوت سے ہے ایسا شخص جہاں چاہے قدم بر داشتہ چلتا رہے، اپنوں میں چلتا رہے یا غیروں میں چلتا رہے یا معاندین میں چلتا رہے اس کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس کے ساتھ ہدایت نوری ہے اور نور تاثر سے خالی ہے تو یہ شخص دشمن کے اثر لینے سے خالی ہے خواہ وہ دشمن نفس ہو یا شیطان ہو یا صاحب سوء ہو۔ کیونکہ نور علم کی وجہ سے اس کو خیر وشر میں امتیاز ہوگیا لیکن یہ حکم اس عالم کے لئے ہے جس میں نور علم رچ بس گیا ہو۔اس کے لئے نہیں جو صرف کتابیں ختم کرکے، امتحان میں پاس ہوکر عالم کہلانے لگا ہے تو وہ صاحب علم جو نور نبوت کی روشنی میں چل رہا ہے اس کے لئے اندھیرا کہاں ہے اس کے لئے لیل ضلالت کہاں، اس کے لئے تو نور نہار موجود ہے۔اب اس سے اندازہ کیجئے گا کہ علم کتنی اونچی سے اونچی چیز ہے کہ اس سے اونچی کوئی اور چیز نہیں ہے اس علم کی جو علم نبوت سے مستفاد ہے جتنی بھی مدح ہو جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہی کم ہے اسی لئے مشکوۃ شریف میں علم کے فضائل پر صفحے کے صفحے بھرے پڑے ہیں جہاں وضو کا بیان آیا ہے وہاں وضو کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اور جہاں علم کا بیان آیا ہے وہاں علم کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

علم عمل کیلئے بنیاد ہے

وجہ یہ ہے کہ علم ہر عمل کا مرجع اور بنیاد ہے ،بنیاد جتنی مضبوط ہوگی اتنی ہی بلند آپ اس پر عمارت قائم کرسکتے ہیں چاہئے دس منزلہ عمارت بنالو چاہئے بارہ منزلہ چاہے بیس منزلہ تک پہونچ جاؤ۔ بنیاد مضبوط ہے تو سب برداشت کرلے گی اسی طرح علم کو سمجھئے کہ وہ عمل کی تعمیر کے لئے بنیاد ہے مگر علم سے مراد صرف معلومات حاصل کرنا نہیں بلکہ وہ نور علم مراد ہے جس کا بیان ہورہا ہے۔

علم نافع کا سوال

اسی علم کی درخواست کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع فرمایا ہے ارشاد ہے اللھم انی اسئلک علما نافعا (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع مانگتا ہوں) اور علم غیر نافع سے پناہ مانگی ہے ارشاد ہے اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع (اے اللہ میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں کہ جو نفع نہ دے) ایسا علم جو نفع نہ دے سوء ہے اور علم سوء والا شخص صاحب سوء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب سوء سے پناہ مانگی ہے۔

لہذا اہل علم خوش نہوں کہ ہم صاحب علم ہیں کیونکہ آپ نے کتابوں میں علماء سوء کا نام پڑھا اور سنا ہوگا۔تو جب علم نور ہے تو یہ علماء سوء کیسے ہوگئے ؟اسی لئے تو ہوئے کہ علم نافع نہیں ہے اپنی ذات کے ساتھ ایک صفت سوء لئے پھر رہا ہے صرف نام صاحب علم ہے صاحب علم ہونے کے باوجود صاحب سوء ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع سے پناہ مانگی ہے۔ لہذا قابل مدح وتوصیف وہی علم حقیقی ہے جس کو نور علم کہتے ہیں جس کے متعلق ضمناً، مختصراً کچھ عرض کیا گیا۔

مدارس دینیہ قابل مدح ہیں

جب علم حقیقی ہی قابل مدح ٹھہرا تو ایسے علم کا متعلم بھی قابل مدح ہوگا اور جو مقام اس علم کے حاصل کرنے کا ہے وہ بھی قابل مدح ہوگا اور ان مقامات ہی کا نام مدرسہ ہے اور مدرسہ بھی قابل مدح ہوا۔جب مدرسہ کا قابل مدح ہونا معلوم ہوگیا۔ تو ہم نے مانا کہ وہ مدرسہ مثل آفتاب نہیں ہے۔وہ مثل قمر نہیں ہے لیکن وہ مثل نجم ضرور ہے۔اور نجم چھوٹے ،بڑے ،ہر طرح کے ہوتے

ہیں ہر ایک اپنی جگہ پر نور ہے، ظلمت ریز نہیں ہے۔ ایسے ہی مدارس دینیہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔ تو جیسے حق تعالیٰ قرآن پاک میں متعدد جگہ نجم (تاروں) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے نفع اٹھاؤ۔ اور بصارت سے کام لو ورنہ ٹھوکر کھاؤ گے۔

بغیر نور نبوت کے اندھیرا ہے

اسی طرح نور نبوت نور صحابہ نہ رہا تو ان نجوم ہدایت سے ہی نفع اٹھالو۔ ورنہ ٹھوکر کھا کر گرو گے یعنی گمراہی کے اندر مبتلا ہوجاؤ گے۔ ارے احسان مانو اللہ تعالیٰ کا کہ انھوں نے ان تاروں کو پیدا فرمادیا اور ہمارے لئے ہدایت کا سامان مہیا کردیا کہ راستہ سہولت سے طے کرلیتے ہیں اور یہ چھوٹے، بڑے تارے ہماری رہبری کرتے ہیں، "خیال شریف میں بات آئی" شروع مجلس میں عرض کیا گیا تھا کہ آنکھ کے اندر روشنی تو موجود ہے لیکن یہ نور بصر جو اپنے اندر موجود ہے کام نہ دے گا جب تک باہر سے نور شمس، نور قمر، نور نجم، اس کے ساتھ شامل نہ ہوگا تو یہ نور بصر بدون منبع انوار کے نافع نہیں ہے یہی حال ہماری عقل وفہم کا ہے کہ بغیر نور نبوت جس کو علم کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے شامل کئے کام نہ دیں گے۔

سب سے پہلے علم کی ضرورت

اسی لئے ذات باری تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد نور علم عطا فرما کر سرفراز فرمایا تھا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے اسماء وآثار وخواص سکھادیئے) تو وجود کے بعد صفت علم سے سرفراز فرمانا علم کی کافی وافی مدح کے لئے کافی ہے۔ ایک اور آیت یاد آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور اہل جہل کی عجیب طور پر مدح وقدح فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں " قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون (پ ۲۳ ع ۱۵) ۔۔ قل امر کا صیغہ ہے یہ قل کون کہہ رہا ہے ذات باری تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ کس کو؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو، کہ اے آفتاب نور نبوت آپ کہہ دیجئے عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہوسکتے وہ علم جس کی تعبیر نور ہے جس نور علم کا ابھی ذکر کیا گیا ہے محض معلومات حاصل ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی علم کے متعلق حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسے نور کا عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہوسکتے پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ بات جو قل کہہ کر میں کہہ رہا ہوں یہ بات ہر ایک کی

عقل میں آوے گی نہیں، یہ بڑی عقل والے کی فہم میں آوے گی چنانچہ فرماتے ہیں، انما یتذکر اولو الالباب، انما حصر، کے لئے ہے کہ اس کو بڑی عقل والے بڑی فہم والے جو لب لباب عقل کو رکھتے ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں، ہر ایک اس کو نہیں سمجھ سکتا اور گو اس میں خطاب آپ کو ہے مگر سنانا آپ کی امت کو ہے۔

زیادتی علم کا سوال

ایک اور آیت یاد آئی قل رب زدنی علما حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے باطن میں میرے دیئے ہوئے علوم بہت کچھ ہیں لیکن پھر بھی میں آپ سے کہتا ہوں کہ مجھ سے دعا کرتے رہا کرو، درخواست کرتے رہا کرو کہ اے ہمارے رب مجھ کو علم میں زیادتی عطا فرماتے رہئے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ جہاں نفس علم مطلوب ہے وہیں اس نور علم میں زیادتی بھی مطلوب ہے اس آیت سے اور زیادہ علم کی مدح ثابت ہوگئی کیونکہ زیادتی اسی چیز کی مطلوب ہوتی ہے جو مدح کے لائق ہوتی ہے۔

از:۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

۱

فرمایا کہ سورہ فاتحہ کو قرآن کریم کا خلاصہ کہا گیا ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ اھدنا الصراط المستقیم میں ہے، ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے "الصراط المستقیم" کی تشریح سورہ فاتحہ کی دو آیتوں میں فرمائی ہے۔ صراط مستقیم کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی تھی کہ وہ قرآن کریم کا بتایا ہوا راستہ ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں صراط القرآن کہنے کے بجائے ارشاد فرمایا: صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے اپنا انعام فرمایا، نہ کہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل

ہوا اور گمراہوں کا۔

اسلوب بیان سے اس طرف اشارہ ہے کہ " صراط مستقیم " محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے ایسے حضرات سے عملی ہدایات لینے کی ضرورت ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمایا ہے اور ایسے حضرات کی تفصیل قرآن کریم نے دوسرے جگہ بیان فرمائی ہے:۔

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین (النساء ۶۹

یہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے دو سلسلے قائم فرمائے ہیں۔ ایک کتاب اللہ کا سلسلہ، دوسرا رجال اللہ کا، اور ہدایت ان دونوں سلسلوں سے وابستہ رہ کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا جو لوگ سلف صالحین کی اتباع کے بغیر صرف کتابوں کے ذریعہ ہدایت کے طلب گار ہوں گے۔ وہ قرآن کریم کے بیان فرمائے ہوئے طریقے سے روگردانی کرتے ہیں۔ سورہ فاتحہ کی مذکورہ آیت کے علاوہ کئی دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایات کے حصول کے لئے صلحاء واولیاء کی صحبت واتباع کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے واتبع سبیل من اناب الی اور پیروی کرو ان لوگوں کی جو میری طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا التقوا اللہ وکونوا مع الصادقین اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، اور صادقین کے ساتھی بن جاؤ۔

اس میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تقویٰ محض نظریاتی طور پر کچھ باتیں معلوم کرلینے سے نہیں، بلکہ "صادقین" کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور صادقین کون لوگ ہیں؟ اس کا جواب ایک دوسری آیت میں ہے کہ:

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صلح کے بہت سے شعبہ بیان فرمائے ہیں اور ان کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے۔:

اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون یہی لوگ ہیں جنہوں نے صدق اختیار کیا، اور یہی لوگ متقی ہیں۔

۲

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں عالم لوگ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ علم کا ثمرہ اور اس کی حقیقی علامت اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے اور حضرت والد صاحب اکثر ہم طالب علموں سے خطاب کرکے فرمایا کرتے تھے کہ جب علم حقیقی کی علامت خشیت اللہ ہے تو ہر عالم یا طالب علم کو بار بار جائزہ لینا چاہئے کہ یہ علامت اس میں پیدا ہوئی یا نہیں اور مثال دیکر فرماتے کہ جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہوکر کسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے تو بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھتا ہے کہ اب کونسا اسٹیشن آیا ہے؟ اگر وہی اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں جو منزلِ مقصود کے راستہ میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہوجاتا ہے۔ اور انہی اسٹیشنوں سے اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے اور اسٹیشن نامانوس آنے لگیں جو منزل کے راستہ میں نہیں پڑتے تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جارہی ہے اور گھبرا کر گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے اسی طرح علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ خشیت اللہ کا اسٹیشن آیا یا نہیں؟ اگر اس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح سمت میں ہورہا ہے لیکن اگر خشیت تواضع انابت الی اللہ اتباع سنت کے بجائے بے فکری تکبر، انانیت حب جاہ و مال اور نفس پرستی کے اسٹیشن آرہے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کسی غلط گاڑی میں سوار ہے اور یہ گاڑی اسے علم کی اس منزل تک نہیں پہنچا سکتی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہے حضرت مولانا رومی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں

(میرے والد میرے شیخ)

ازحضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

حضرت عالم بھی تھے اور عاشق حق بھی (حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ) فرمایا کرتے تھے کہ غیر عالم جب اس راہ میں آکر ذکر وشغل کرتا ہے تو صاحب نور ہوجاتا ہے لیکن جب عالم اس راہ میں داخل ہوتا ہے اور ذکر وشغل کرتا ہے تو نور علی نور ہوجاتا ہے ۔ علم کا لطف علم کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت وعشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق و محبت کی دولت عاشقان خدا کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے ایک مدت تک عمر ان کی صحبت وخدمت میں رہ لے اس کی مقدار حضرت تھانوی نے ۶ ماہ فرمائی تھی اور طلباء سے فرمایا تھا کہ ۱۰ سال درس نظامیہ میں لگاتے ہو ۶ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو گے کہ سینے میں علوم انبیاء کا فیضان موجزن ہوگا۔ اگر ۶ ماہ مشکل ہو تو صرف ۴۰ دن ہی رہ لو

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو
بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید واوستا

ترجمہ: قال کو چھوڑو باتیں زیادہ مت کرو صاحب حال بنو اور یہ جب ہوگا کسی مرد کامل کے سامنے اپنے نفس کو پامال کرو۔ مٹادو اپنے رائے کو فنا کردو۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

پھر اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم کا فیضان محسوس کروگے اور بے کتاب واستاد ایسی باتیں قلب میں وارد ہونگی کہ اہل علم دنگ اور محو حیرت ہونگے ۔ پھر حضرت تھانویؒ نے

فرمایا کہ ہم نے وہی پڑھا ہے جو اے طلبا تم مدارس میں پڑھتے ہو ۔ مگر یہ سب علوم جو میری زبان سے بیان ہورہے ہیں یا میرے قلم سے تحریر ہورہے ہیں یہ سب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے ۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نشد

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جلال الدین رومی کو سب مولوی کہتے تھے مگر شمس الدین تبریزی کی غلامی کے صدقے میں آج مولائے روم کہلایا جارہا ہوں۔ یہ راستہ خدا کا کوئی تنہا طے نہیں کرسکتا مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کا خوب شعر ہے ۔

تنہا نہ چل سکوگے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آئیے

افسوس کے اہل علم اپنے علم درسی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ عمل کے لئے علم فقط کافی نہیں عمل کی ہمت تو اللہ والوں کی مصاحبت اور مجالست سے پیدا ہوتی ہے ۔ اسی طرح دنیاوی تعلقات میں پھنس کر بھی لوگ فرصت نہیں نکالتے کہ کچھ دن اللہ والوں کے پاس رہکر حق تعالی کی محبت سیکھیں ۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کا ارشاد ہے کہ معاش میں اتنا مشغول ہونا کہ کسی بزگ کے پاس ہفتہ یا مہینہ میں حاضری کا موقع نہ پائے میں ایسی روزی کو ناجائز کہتا ہوں۔ کیونکہ کسب حلال کے ساتھ ہم پر آخرت کی تیاری بھی تو فرض ہے ۔ اور یہ موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت پر ضروری کا موقوف علیہ بھی ضروری ہوتا ہے ۔ ایک عالم کی اس بات پر کہ اہل اللہ کی صحبت کیا درجہ رکھتی ہے ۔ ارشاد فرمایا کہ میں فرض عین قرار دیتا ہوں ۔ کیونکہ نفس کی اصلاح بدون مصلح ممکن نہیں ۔ اور فرمایا کہ عامی اہل اللہ کی صحبت سے ولی بن سکتا ہے ۔ اور عالم بدون صحبت اہل اللہ ولی نہیں بن سکتا ۔ حق تعالی کی محبت وپیاس جس روح میں ہوتی ہے اسے تو اللہ والوں کو دیکھتے ہی پیار آجاتا ہے سلوک کا پہلا قدم اللہ والوں کی محبت اور دنیا سے دل کا اچاٹ ہونا ہے ۔ (معارف شمس تبریز)

اہل اللہ اور مشائخ کی صحبت کے برکات اور فوائد

(ماخوذ از کشکولِ معرفت)

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ، ہاتھ میں آگیا تو چراغ راہ کے جل گئے

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔
اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ کی راہ آسان ہونے کا نسخہ کاملین کی صحبت اختیار کرنا ہے۔

کاملین کی صحبت کتنی ہو؟ علامہ آلوسی روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ کاملین کی صحبت میں اس اہتمام سے رہو کہ ان کے اخلاق و اعمال حسنہ تمہارے اندر جذب ہو جائیں۔

خالطوھو لتکونوا مثلھم فکل قرین بالمقارن یقتدی۔ (ج ۱۱ ص ۵۶)

باب مخالطۃ اختیار کیا تاکہ معلوم ہو کہ طالب اور شیخ دونوں ہی طرف سے افادہ اور استفادہ کے لئے مصاحبت کا اہتمام ہو اور طالب مرشد کے کمالات کو جذب کر سکے۔

یہاں تک جذب کرلوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گذر جاؤں جدھر ہو کر

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۶) ترجمہ: ہر آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے غور کرلے ہر ایک کہ ہم کس سے دوستی کرتے ہیں!

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر آدمی اپنے دوست

کے دین پر کیوں ہو جاتا ہے اس کی تفہیم اور توضیح کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد وکونوا مع الصادقین نقل فرما کر الامام الغزالی کا قول نقل فرمایا ہے۔

مجالسته الحريص ومخالطته تحرك الحرص ومجالسة الزاهد ومخالطته تزهد في الدنيا لان الطباع مجبولته على التشبه والاقتداء بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لايدري هذا۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۵۰)

ترجمہ: مخالطت حریص کی حرص کو ابھارتی ہے اور زاہد کی مجالست دنیا کی بے رغبتی پیدا کرتی ہے کیونکہ انسان کی طبیعت نقل اور اقتداء کے فطری تقاضے پر پیدا کی گئی ہے بلکہ طبیعت دوسری طبیعت کے عادات اور خصائل کو غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر چوری کرلیتی ہے۔

کیا اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے؟ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ تزکیہ فعل متعدی ہے فعل لازم نہیں جو خود اپنے فاعل سے تمام ہو، پس تزکیہ کوئی بھی اپنے نفس کا خود نہیں کرسکتا جب تک کہ کوئی تزکیہ کرنے والا نہ ہو۔ فعل متعدی فاعل اور مفعول بہ دونوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے حضرت حکیم الامت کا فتویٰ امداد الفتاویٰ جلد ۵، صفحہ ۱۳۹ باب السلوک میں حسب ذیل ہے

حاصل سوال میری عمر ۲۴ سال ہے میں ایک حامل شریعت واقف طریقت بزرگ سے بیعت ہوں اور اصلاح نفس کے لئے ان کی خدمت میں جایا کرتا ہوں میرے والد صاحب منع کرتے ہیں کیا اس صورت میں ان کی خدمت میں جانے سے باپ کی یہ نافرمانی گناہ ہے اور باپ حق پر ہے یا خطا پر؟

جواب: منجیات قلبیہ کی تحصیل اور مہلکات قلبیہ کا ازالہ واجب ہے اور تجربہ سے اس کا طریق حضرات کاملین مکملین کی صحبت اور ان کی تعلیم پر عمل کرنا ثابت ہوا ہے۔ اس لئے بحکم مقدمۃ الواجب یہ بھی ضروری ہے اور ترک واجب میں والدین کی اطاعت واجب نہیں۔ قال علیہ السلام لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ البتہ اگر اس مرشد میں خدا نخواستہ کوئی

شرعی فساد ہے تو اس کی صحبت سے بچنا واجب ہے ۔ فقط واللہ تعالی اعلم ۔ ۱۹ / محرم ۱۳۲۶ھ

اہل اللہ کی نظر کے برکات اللہ والوں کی نظر میں برکت اور کرامت اور تاثیر کے متعلق حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالی عنہا نے جب عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعفر کی اولاد کو نظر لگ جاتی ہے ۔ افاسترقی لھم قال نعم فانہ لو کان شئی سابق القدر لسبقتہ العین۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر برحق ہے تو جب بری نظر لگ سکتی ہے تو اللہ والوں کی اچھی نظر کیسے نہ لگے گی۔ اکبر الہ آبادی نے خوب فرمایا ہے ۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ قلت و ضد ھذا العین نظر العارفین فانہ من حیث التاثیر الاکسیر یجعل الکافر مومنا و الفاسق صالحا و الجاھل عالما و الکلب انسانا و ھذا لانھم منظورون بنظر الجمال و الاغیار تحت استار نظر الجلال ۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۶۴) ترجمہ: جب بری نظر لگ سکتی ہے تو عارفین اللہ والوں کی نظر کیسی تاثیر والی ہوگی جو کافر کو مومن، فاسق کو ولی، جاہل کو عالم، کتے کو انسان بناتی ہے کیونکہ یہ حضرات حق تعالی کی نظر جمالی کے منظور نظر ہیں اور اغیار نظر جلال کے پردوں کے نیچے محجوب ہیں ۔

حیات ایمانی اہل اللہ چونکہ کثرت ذکر اللہ کا دوام رکھتے ہیں اور ملا علی قاری فرماتے ہیں حدیث مثل الذی یذکر ربہ... کی شرح میں کہ وفی الحدیث ایماء الی ان مداومۃ ذکر الحی الذی لا یموت تورث الحیاۃ الحقیقی التی لا فناء لھا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اہل اللہ کی صحبت جنت کے باغ ہیں حدیث پاک میں ہے جب تم جنت کے باغوں سے گذرو تو کچھ کھا پی لیا کرو۔

اذا مررتم بجماعۃ یذکرون اللہ تعالی فاذکروا اللہ انتم ایضا موافقۃ لھم فانھم فی ریاض الجنۃ۔ ترجمہ: جب تم جنت کے باغوں سے گذرو۔۔۔ (الخ)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں یعنی جب گذرو تم ایسی جماعت کے ساتھ جو اللہ کا ذکر کرتے ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوجاؤ تاکہ ان کی موافقت کا شرف حاصل ہو کیونکہ وہ جنت کے باغوں میں ہیں۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۶۰)

اہل اللہ کی صحبت کی برکتوں کے منکرین علامہ آلوسی کی نظر میں ومن ھنا نھی المشایخ اھل اللہ تعالی المریدین عن موالاۃ المنکرین لان ظلمۃ الانکار العیاذ باللہ تحاکی ظلمۃ الکفر و ربما تراکمت فسدت طریق الایمان و من یفعل ذالک فلیس من ولایۃ اللہ تعالی فی شئی معتد بہ اذ لیس فیہ نوریۃ صافیۃ یناسب بھا الحضرۃ الالھیۃ۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۳۱)

ترجمہ: لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء کی تفسیر کے بعد من باب الاشارات فی الایات کے ذیل میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جو لوگ منکرین صحبت اہل اللہ ہیں، اللہ والوں کے فیوض اور برکات کے ان کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی مشایخ اپنے مریدین کو منع کرتے ہیں کیونکہ یہ ظلمت انکار نہایت شدید ہے کہ بسا اوقات یہ ظلمت تہہ بہ تہہ جمتی ہوئی ورطہ حیرت میں غرق کردیتی ہے اور ایمان کا راستہ مسدود ہوجاتا ہے ایسے لوگوں کو حق تعالی کی بارگاہ قرب سے کوئی حصہ معتد بہ نہیں حاصل ہوتا کیونکہ یہ منکرین اس نور صاف سے محروم ہوتے ہیں جس کی قدر مشترک سے بارگاہ حق سے ارواح کو مناسبت حاصل ہوتی ہے ۔

صراط مستقیم اور اہل اللہ کی صحبت و رفاقت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری فرماتے تھے کہ اھدنا الصراط المستقیم کے بعد صراط الذین انعمت علیہم سے ضالین تک کی آیات صراط مستقیم کی تفسیر اور بیان ہے اور انعام والوں کی نشاندہی دوسری آیات میں فرمائی گئی کہ وہ منعم علیہم انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں ۔ الذین انعمہ اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ یہ آخری جملہ بھی بتاتا ہے کہ ان حضرات سے حسن رفاقت حاصل کرو ، اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن ہر جملہ خبریہ میں جملہ انشائیہ بھی پوشیدہ ہوتا ہے ۔ بابا فرید عطار نے جو فرمایا تھا کہ

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

اس شعر میں لفظ رفیق اسی آیت سے لیا ہے ۔ اللہ والوں کے الفاظ الہامی ہوتے ہیں ۔

ترجمہ: بدون رفیق اور رہبر جس نے حق تعالی کے راستے میں قدم رکھا تمام عمر گذر گئی مگر عشق حق کی حقیقت سے آگاہی نہ ہوئی ۔

مطلق رفاقت کافی نہیں حسن رفاقت مطلوب ہے حضرت پھولپوری فرمایا کرتے تھے کہ حسن اولئک رفیقا سے ان حضرات کا بہترین رفیق ہونا بیان ہوا لیکن ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہوگیا کہ ان کا نفع کامل انہیں کو حاصل ہوگا جو ان سے دوستی اور رفاقت میں اخلاص اور جمال رکھتے ہیں یعنی حسن رفاقت کا تعلق رکھتے ہیں جس کو اتباع سے تعبیر کیا جاتا ہے واتبع سبیل من اناب الی۔ حق تعالی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں ہمارے درباری ہیں ان کی اتباع کرو ۔ معلوم ہوا کہ تعلق صرف محبت کا کافی نہیں ، اتباع کا مطلوب ہے ۔

حضرت مرشدنا و مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اتباع کی عجیب برکت ہے کہ اصل تو متبوع اور حسن رفاقت کے اہل انبیاء علیہم السلام ہیں مگر ان کی اتباع کی برکت سے انہیں کی ذات مقدسہ پر صدیقین اور شہداء و صالحین کو بھی عطف کردیا گیا ہے اتباع

کی شان اور اس کے برکات دیکھو کہ معصومین پر غیر معصومین کو عطف کیا گیا اور پھر پورے مجموعہ کے لئے وحسن اولئک رفیقا کا حکم لگایا گیا کہ یہ تمام حضرات بڑے اچھے رفیق ہیں ۔ سبحان اللہ معطوف کا قواعد نحو سے ایک ہی حکم ہوتا ہے پس منعم علیہم کا صدق ہر ایک پر الگ الگ ہوسکتا ہے ۔ عشق اور محبت اور اتباع کا یہ انعام ہے ۔ کسی نے خوب کہا ہے

اب مرا نام بھی آئیگا ترے نام کے ساتھ

منعم علیہم صراط مستقیم کے بدل الکل ہیں تفسیر بیان القرآن میں حکیم الامت تھانوی نے عربی حاشیہ میں روح المعانی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ صراط مستقیم ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبدل منہ ہے اور صراط الذین انعمت علیہم بدل الکل ہے اور بدل کی ترکیب میں مقصود بدل ہی ہوتا ہے پس انعام والوں کا راستہ ہی اصل مقصود ہوا جس پر چلنے کے لئے ان کے ساتھ حسن رفاقت کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث مبارک میں ہے کہ المرء علی دین خلیلہ تو ان حضرات سے خلت اور دوستی اور محبت کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہوا ۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک بزرگ سے کسی عالم نے دریافت کیا کہ صحبت اہل اللہ کیوں ضروری ہے کیا کتابیں کافی نہیں ؟ تو فرمایا کہ آپ صحابی کیوں نہیں ہیں ۔ کہا صحابی کے لئے نبی کی صحبت ضروری ہے پھر فرمایا کہ آپ تابعی بن جائیے ، کہا کہ تابعی کے لئے صحابی کی صحبت کی ضرورت ہے ۔ فرمایا اچھا تبع تابعی بن جائیے ، کہا اس کے لئے تو تابعی کی صحبت کی ضروری ہے ۔ پھر ان عالم صاحب نے کہا کہ حضرت ہم سمجھ گئے ۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا باجان جاں ہمراز کردی

صحبت کے برکات کی حسی مثالیں (۱) حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے احقر نے عرض کیا کہ دیسی آم کی قلم جب لنگڑے آم سے لگاتے ہیں تو وہ دیسی آم بھی اس کی صحبت کے فیض سے لنگڑا آم بن جاتا ہے اسی طرح دیسی دل اللہ والے دل کی

صحبت سے اللہ والا بن جاتا ہے ۔ مسکرا کر فرمایا کہ لنگڑا دل اور بگڑا دل جب اللہ والے دل سے پیوند کھا جاتا ہے تو اس کے برکات صحبت سے وہ تگڑا دل بن جاتا ہے یعنی نہ یہ کہ وہ صرف صلح بن جاتا ہے بلکہ مصلح بھی بن جاتا ہے ۔

(۲) دوسری مثال تل کی ہے ۔ تل جب گلاب کی صحبت سے فیض پا کر گل روغن بن جاتا ہے تو تل کے تیل کا نام بدل جاتا ہے اور دام بھی بدل جاتا ہے اب اس کو روغن گل کہتے ہیں۔ حضرت رومی فرماتے ہیں،

روغن گل روغن کنجد نماند
آفتابے دید وجامد نماند

ترجمہ: تل کا تیل اب روغن گل ہو گیا ۔ برف نے آفتاب دیکھا وہ پانی ہو گیا اب جامد نہ رہا اس کو اب برف نہ کہو۔

صحبت کے باوجود نفع نہ ہونے کی وجہ ہمارے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحبت کے ساتھ مجاہدہ بھی ضروری ہے دیکھو تل کو اگر مجاہدہ نہ کرایا جائے اور رگڑ رگڑ کر اس کی بھوسی نہ چھڑائی جاوے تو گلاب کے پھول کی خوشبو اس کے اندر جذب نہ ہو گی پس سالک کو التزام ذکر اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اطلاع و اتباع کا تمام مجاہدہ برداشت کرنا ہو گا ۔ مجاہدہ سے جذب فیض کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے ۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جتنا قوی مجاہدہ ہو گا اتنا ہی جذب فیض قوی ہو گا ۔ " المشاہدۃ بقدر المجاہدۃ " اور ہوائی جہاز کی مثال دی کہ دیکھو کتنا قوی مجاہدہ ہے جان اور مال دونوں کا مجاہدہ ہے مگر پھر کتنی جلدی منزل پر پہنچا دیتا ہے اگر مجاہدہ نہ ہو تو پائلٹ کا لڑکا بھی محروم رہے گا اور ہوائی جہاز پر نہ جاسکے گا ۔

تیسری مثال جس زمین پر محنت کی جاتی ہے مالی اور باغباں تربیت کرتا ہے وہاں کیسے کیسے پھول پیدا ہوتے ہیں اور جس زمین پر محنت نہ کی جاوے کوئی اس کا مربی اور مالی نہ ہو تو وہاں

گندگی اور کانٹے اور غیر مفید گھاس پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح دل کی زمین کا حال ہے جس نے اپنے دل کی زمین کو کسی اللہ والے کے سپرد کر دیا اسی کی تربیت کے فیض سے محبت الہیہ اور خشیت الہیہ اور تقوی کے کیسے کیسے پھول اور خوشنما پودے پیدا ہوتے ہیں ۔ حضرت خواجہ صاحب اسی کو فرماتے ہیں

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
مرے باغ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد فرمایا کہ دو عالم ہمارے پاس ہوں ایک تربیت اور صحبت یافتہ ہو، دوسرا صحبت یافتہ نہ ہو ۔ پانچ منٹ میں ہم خود بتادیں گے کہ یہ صحبت یافتہ ہے اور یہ صحبت یافتہ نہیں ۔ بدون تربیت یافتہ مولوی کے ہر لفظ میں آنکھوں کے تیور میں، کندھوں کے نشیب و فراز میں رفتار میں گفتار میں کبر نفس کے آثار ہوں گے اور جس نے نفس کو صحبت اہل اللہ کے ذریعہ مٹایا ہے اس کی ہر بات، ہر ادا میں عبدیت، فنائیت اور تواضع کے آثار ہوں گے

حضرت مولانا پھولپوری کا ارشاد حضرت والا احقر سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ امام غزالی نے لکھا ہے کہ عالم بدون اصلاح و تربیت کے نفس کا کچا ہوتا ہے لیکن یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عابد جب سلوک طے کرتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر کرنے سے صاحب نور ہو جاتا ہے اور عالم جب سلوک طے کرتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے نور علی نور ہو جاتا ہے ۔ علم کا نور اور ذکر کا نور دونوں جمع ہو جاتے ہیں ۔

علامہ انور شاہ کشمیری کا ارشاد حضرت مولانا عبد اللہ صاحب شجاعبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم دورہ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت کشمیری صاحب نے ہم سب طلباء کو جمع کر کے نصیحت کی اور فرمایا کہ دیکھو خواہ کتنی بار ختم بخاری شریف کر لو مگر جب تک اللہ والوں کی جوتیاں نہ سیدھی کرو گے اور ان کی صحبت نہ اختیار کرو گے حقیقت اور روح علم سے محروم

رہوگے اور جوش میں فرمایا اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرات سلاطین دنیا کے تاجوں کے موتی سے افضل ہیں۔

علامہ قشیری کا ارشاد امام ابوالقاسم قشیری اپنی مشہور کتاب رسالہ قشیریہ میں ضرورت صحبت اہل اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مرید پر واجب ہے کہ شیخ سے ادب تعلیم و تربیت حاصل کرلے اگر اس کا کوئی شیخ نہیں تو کبھی فلاح نہ پائے گا اس کا رہبر شیطان ہوگا یعنی اس کے کہنے پر چلے گا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو درخت خودرو ہوتا ہے وہ پتے تولاتا ہے مگر پھل نہیں لاتا۔ یہی حال اسکا ہوتا ہے جس کا کوئی شیخ نہیں ہوتا پس رفتہ رفتہ وہ اپنی خواہش نفسانی کا غلام بن جائے گا اور اس کو اس غلامی سے کبھی خلاصی نہیں ہوسکتی۔

ارشاد حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف تفسیر مظہری

یہ حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور حضرت مرزا جان جاناں کے خلیفہ ہیں اپنی کتاب مالا بدمنہ میں فرماتے ہیں،

نور باطن صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نور باطن بزرگوں کے سینوں سے حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد فرمایا سو برس کی اخلاص والی حیات سے اہل اللہ کی ایک ساعت کی صحبت کیوں افضل ہے ؟ اس لئے کہ اخلاص ملتا ہی ہے ان حضرات کی صحبت کی برکت سے ، تو سو برس کی عبادت اخلاص والی کہاں سے ملے گی ؟ انہی حضرات کی صحبت کی برکت سے تو ملے گی!

حضرت خواجہ معصوم باللہؒ کا ارشاد یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالی کا یہ قرب خاص جس کا نام نسبت ہے یہ چیز اس عالم اسباب میں حضرات صوفیہ ہی کے طریق پر چلنے سے حاصل

ہوسکتی ہے چنانچہ ان بزرگوں نے حق تعالی کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور نہ غیر کو ، بلکہ سب سے یک لخت خالی ہوگئے (اور جس سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالی کی رضا کے لئے کرتے ہیں اور جس سے بغض رکھتے ہیں اللہ تعالی کی رضا کے لئے رکھتے ہیں) اور جب تک نسبت مع اللہ قلب میں خوب راسخ نہ ہوجائے مرشد سے دوری اور جدائی اختیار نہ کرے ورنہ نسبت مع اللہ میں کمزوری پیدا ہوجاوے گی اور اس کمزوری کے سبب معصیت اور گناہ کا ارتکاب ہوگا جس سے دل تاریک اور اندھیرا ہوجاوے گا۔

ارشاد علامہ سید سلیمان ندوی حضرت فرماتے تھے کہ حق تعالی کی محبت حاصل کرنے کے لئے اہل اللہ کی محبت اور صحبت سے بڑھ کر کوئی تدبیر مؤثر نہیں۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اپنے دعوی کی دلیل میں علامہ موصوف نے یہ حدیث پیش فرمائی

اللھم انی اسئلک حبک و حب من یحبک و العمل الذی یبلغنی حبک۔ (جواہر البخاری ص ۵۰۲) ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی محبت کا اور آپ کے عاشقین کی محبت کا اور اس عمل کا جو آپ کی محبت سے قریب کرنے والا ہو۔

علامہ موصوف نے فرمایا کہ اللہ والوں کی محبت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال سے مقدم فرما کر یہ تعلیم بھی ہم کو فرمادی کہ اعمال کی توفیق اور ہمت اہل اللہ ہی کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

حضرت رومیؒ کا ارشاد بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق۔

ترجمہ: حق تعالی کی عنایات کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہوجاوے اسکا نامہ اعمال سیاہ ہے

بے عنایات حق پر خاصان حق کی عنایات کا عطف، عطف تفسیری اور عطف بیانی ہے ۔ مولانا نے عنایات حق جو عالم غیب سے متعلق غیر محسوس اور غیر مبصر نظری ہے اس پر خاصانِ حق کو عطف فرماکر اس نظری کو بدیہی اور مبصر بنادیا، کیا علوم ہیں ۔ عالم غیب کو مولانا نے عالم شہادت بنادیا ۔ یعنی جس بندے پر دیکھو کہ اہل اللہ کی عنایات خاصہ ہیں تو سمجھ لو کہ اس پر عنایات حق مبذول ہیں ۔

اور اگر روئے زمین کے تمام اہل اللہ کسی مرد کو مردود کردیں تو سمجھ لو کہ یہ شخص خطرہ میں ہے ۔

ارشاد شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد نے ہم کو تحریر فرمایا کہ ملائے خشک و ناہموار نہ باشی ۔ اے بیٹے خشک ملا اور بدون تربیت نہ رہنا ۔ شیخ نے اس نصیحت کے بعد باضابطہ تعلق مرشد سے قائم کرکے اپنی واصلاح کا اہتمام فرمایا ۔

ارشاد حضرت ملا علی قاری محدث عظیم شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے شیخ کو کبھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اگرچہ اپنی عبادت کی مقدار زیادہ پائے اور جو اعتراض کرے گا اپنے شیخ پر کبھی فلاح نہ پائے گا ۔ فیہ تعلیم للمرید بان لا ینظر الی الشیخ بعین الاحتقار و ان رای عبادته قليلة فليظهر عذره وليلم نفسه ان جرى فيها انكار على شيخه لان من اعترض على شيخ لم يفلح ابدا۔ (مرقاۃ جلد ا ص ۲۲۰)

شیخ ملا علی قاری نے یہ تشریح حدیث کانهم تقالوها الى فمن رغب عن سنتى فليس منى کے ذیل میں ارقام فرمائی ہے عبارت مذکورہ سے اہل اللہ کی صحبت کے حقوق کا اہتمام ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے ۔

ارشاد رومیؒ

خم کہ از دریا درو را ہے شود
پیش او جیحونہا زانو زند

ترجمہ: جس مٹکے کو سمندر سے تعلق خفیہ حاصل ہوا اس کے سامنے بڑے بڑے دریا شاگرد ہوجاتے ہیں کیونکہ اس مٹکے کا پانی خشک نہ ہوگا اور دریا خشک ہوسکتے ہیں ۔

اسی حقیقت کو حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں ۔

ارشاد حکیم الامت تھانوی فرمایا کہ وہ عالم جو اہل اللہ کی صحبت میں تکمیل سلوک کرکے صاحب نسبت ہوجاتا ہے اور عالم ظاہر غیر صاحب نسبت کے علوم میں فرق کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حوض کا پانی ہے جو خشک ہوجاتا ہے اور ایک اس چشمہ کا پانی جس کے اندر نیچے تک گہرا کھودا گیا اور سوتا نکل آیا تو اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوگا پس یہ دوسری مثال عالم صاحب نسبت کے علم کی مثال ہے اور اول مثال عالم ظاہر کے علم کی ہے ۔

دعا جلال الدین رومی

قطرہ علمے کہ دادی تو زپیش
متصل گرداں بدریا ہائے خویش
یا غیاث المستغیثین اہدنا
لا افتخار بالعلوم والغنی

ترجمہ: اے خدا آپ نے جو علم کا قطرہ جلال الدین رومی کی جان میں عطا فرمایا ہے اس قطرہ علم کو اپنے غیر محدود دریائے علم سے متصل فرما دیجئے ۔ اے فریاد سننے والے فریاد کرنے والوں کی فریاد کے مجھ کو ہدایت دیجئے اور ہدایت پر قائم بھی رکھئے ۔ ہم کو اپنے علم پر کوئی بھی فخر نہیں اور نہ ہم علم کے سبب آپ کی عنایات سے مستغنی ہوسکتے ہیں ۔

یعنی اگر آپ کا کرم شامل حال نہ ہو تو علم ہوتے ہوئے بے عملی میں اہل علم بتلا ہوجاتا ہے

تربیت اور صحبت اہل اللہ کی تفہیم کے لئے دو عجیب و غریب مثالیں

آملہ کے دو دانے درخت سے گرے ایک حلوائی نے ایک دانے سے گذارش کی کیا آپ کو مربہ

بنادوں ۔ آملہ نے سوال کیا مربہ کیسے بناتے ہو ۔ حلوائی نے کہا کہ ہم آپ کے جسم کو سوئی سے چھوچھو کر آپ کے اندر سے کسیلا پانی نکال دیں گے پھر پانی میں جوش دیں گے یہاں تک کہ آپ کا ذرہ ذرہ پک کر نرم ہوجاوے گا پھر شیرہ میں ڈال دیں گے اور آپ کو مرتبان میں سجا کر رکھا جاوے گا اور حکماء آپ کو چاندی کے ورق میں لپیٹ کر مریضوں کو کھلائیں گے ۔ مفتی اعظم اور وزیر اعظم بھی کھائیں گے ۔ جن کا دل کمزور ہو گا دل کی طاقت کے لئے آپ کو تجویز کیا جائے گا آپ مقوی قلب ہوں گے ۔ یہ سن کر ایک آملہ نے اپنی تربیت سپرد کردی ۔ دوسرے نے ازراہ تکبر انکار کیا اور کہا یہ مجاہدہ ہم سے برداشت نہ ہو گا ۔ تربیت یافتہ آملہ مربہ آملہ بن کر ایک روپے کا ایک بکے گا اور انسانوں کے دلوں کو طاقت کے لئے عزت سے استعمال ہو گا ۔ دوسرا بے تربیت یافتہ سورج کی شعاعوں سے خشک اور سیاہ رو ہو کر جھاڑو سے اکٹھا ہو کر بوروں میں ٹھونس کر بنیوں کے یہاں پھینک دیا جائے گا ۔ صورت اور سیرت دونوں مسخ ہوں گی ۔ بہت قیمت لگے گی تو گھٹیا دام سے ترپھلا کے نام سے بکے گا اور کسی کو قبض ہو گا یا قبض سے ابخرات ردیہ اعضاء رئیسہ کی طرف صعود کریں گے تو اس کندہ ناتراش بے تربیت آملہ کا سفوف کھلا دیا جائے گا اور آنتوں سے پائخانہ ڈھکیلنے کی خدمت سپرد ہوگی ۔ لوگوں کا قبض دفع کرنے کی خدمت مثل جمعدار سپرد کردی جائے گی یہ ہے استغناء عن اہل الحق اور تکبر کا انجام ۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ہر کہ خودرا دیداو محروم شد

اسی طرح دوسری مثال بھی عجیب ہے ۔ چمن میں صبح صبح نسیم سحری باغوں کی کلیوں کو تھپیڑوں کا مجاہدہ کرا کے ان کی سیل (مہر) توڑ دیتی ہے اور وہ شگفتہ ہو کر اپنی اندرونی خوشبو کی امانت کو اندرون چمن اور بیرون چمن پھیلا کر خراماں چمن کو مست و سرشار کرتی ہیں ۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں خوب بیان فرمایا ہے

بوئے گل سے یہ نسیم سحری کہتی ہے
حجرہ غنچہ میں کیا کرتی ہے آسیر کو چل

احقر کا بھی اس مضمون پر شعر ہے

غنچہ سہتا ہے چمن میں سختی باد سحر
اس کے دامن میں عطا ہوتی ہے پھولوں کی مہک

اس حقیقت پر احقر کے چند اشعار فارسی میں جو معارف مثنوی میں طبع ہوئے ہیں ۔

(۱) بوئے خوش از غنچہ کے آمد بروں
تانہ شد پیش نسیمے سرنگوں

(۲) جان تو چو غنچہ اے طالب بداں
اندرونش درد حق دارد نہاں

(۳) چوں بگیری صحبت اہل نظر
غنچہ بکشاید نسیم آں سحر

(۴) گر نگیری از تغافل راہبر
کے شوی از غنچہ تو گلہائے تر

(۵) غنچہ را ایں کروفر درانجمن
ہست از فیض نسیمے در چمن

ترجمہ : (۱) کلی سے اچھی خوشبو کب ظاہر ہوئی جب تک بادنسیم کے سامنے زانوئے استفادہ نہ رکھا ۔

(۲) اے طالب تیری جان مثل کلی اپنے اندر دردِ حق کی خوشبو پوشیدہ رکھتی ہے ۔

(۳) تو جب اہل نظر کی صحبت اختیار کریگا تو یہ صحبت تیری روح کی کلی کو شگفتہ کردے گی اس کی صحبت مثل نسیم سحری ہے ۔

(۴) اور اگر غفلت سے کسی رہبر کو نہ پکڑا تو تیری کلی کیسے گل تر ہوگی۔

(۵) اے مخاطب اگر انجمن میں تو کسی کلی کو خلعت گل میں آراستہ اس کا کروفر مشاہدہ کرتا ہے تو یقین کرلے کہ چمن میں نسیم سحری کا فیض اس کو پہنچا ہے۔

حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ تہجد کی نماز کے بعد جب خاص قرب حق کی خوشبو اپنی جان میں محسوس کرتے تھے تو یہ شعر خاص وجد سے گنگناتے تھے۔

باد نسیم آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

حضرت رومی نے بھی اس خوشبوئے قرب خاص کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

بوئے آں دلبر چوں پراں میشود
ایں زباں ہا جملہ حیراں میشود

ترجمہ: اس محبوب حقیقی کی خوشبو اڑ کر میری روح میں محسوس ہوتی ہے تو اس کی لذت کیف آفریں کے بیان کے لئے مجھے تمام زبانیں قاصر نظر آتی ہیں اور حقیقت ہے کہ لطف غیر محدود کو زبان محدود کیسے تعبیر کر سکتی ہے۔

حضرت اصغر گونڈوی استاد جگر نے بھی اس مقام کو خوب تعبیر کیا ہے

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھ دی نگاہ بے زباں رکھدی

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانوی کی صحبت سے قبل نفس کی شرارت سے یہ حال تھا۔

ہے شوق و ضبط شوق میں دن رات کشمکش
میں دل کو ، دل ہے مجھ کو ، پریشان کئے ہوئے

پھر فیضان صحبت کے بعد کیا حال ہوا خود حضرت خواجہ صاحب نے اپنا یہ حال اس طرح فرمایا ہے۔

نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق
آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنادیا
آہن کو سوز دل سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنادیا
مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

ایک سبق آموز واقعہ ایک پٹرول کی ٹنکی والا ٹرک کا ڈرائیور پٹرول پمپ سے چند گیلن پٹرول خرید رہا تھا حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا دیکھو بیس ہزار گیلن پٹرول اس کی پیٹھ پر ہے مگر اس کے انجن میں پٹرول نہ ہونے کے سبب یہ ٹرک چل نہیں سکتا اور چند گیلن پٹرول کا استفادہ کر رہا ہے اسی طرح علوم کی کثرت کا حال ہے جب تک دل میں خشیت اور محبت کا پٹرول نہ ہو اپنے علوم پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ اسی محبت اور خشیت کا پٹرول لینے کے لئے حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت تھانوی، حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں گئے تھے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے چند ارشادات متعلق صحبت اہل اللہ "از ملفوظات کمالات اشرفیہ"

فرمایا کہ محبت حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کردے۔

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد (ص ۵۸)

فرمایا کہ اصل چیز اصلاح کے لئے صحبت ہے اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا

التزام رکھا۔ صحابہ کو جو کچھ ملا صحبت ہی سے ملا۔ (ص ۱۷۲)

فرمایا بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے۔ (ص ۱۰۷)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محب بننا چاہتے ہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً بھی باطناً بھی اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اللہ والوں کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیر موجودگی میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ (ص ۳۷)

فرمایا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا۔ تواضع میں جذب و کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف قلوب کو خود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ اہل اللہ کے اندر کشف و کرامت سے زیادہ جو چیز دلکش و دلربا ہوتی ہے وہ ان کے تواضع کے واقعات ہیں بے شک تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی بھی نہیں ہوتی۔ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔ (ص ۸۳)

فرمایا کہ اصلاح کا کوئی منتہی نہیں ہے اس لئے جب ایسا خیال ہو کہ اب میری اصلاح ہو چکی ہے اور اس پر اطمینان بھی ہو تو یہ غلط ہے۔ (ص ۹۰)

فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت سے نفع ہونے کے چار وجوہ ہیں:

(۱) ان کی صحبت میں برکت ہے جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے۔ (ص ۲۴۲)

(۲) ان کی مجلس میں ایسے ملفوظات ہوتے ہیں جن سے نفس کے رذائل کا علم ہوتا ہے۔

(۳) آنے والوں کے لئے یہ حضرات ان کی اصلاح کی دعائیں کرتے ہیں۔

(۴) انسان کی طبیعت میں نقل اخلاق و اعمال کا خاصہ ہے جس کے سبب بزرگوں کے

پاس رہنے سے عشق حق اور خوف خدا ان کے دل سے طالب کے دل میں خود بخود منتقل ہونے لگتا ہے اور ان کے اعمال صالحہ کی نقل کی توفیق بھی ہونے لگتی ہے۔

فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسے مریض ایک تو طبیب کے پاس رہ کر علاج کرا دے اور دوسرے محض خط و کتابت کے ذریعہ علاج کرا دے ظاہر ہے کہ نفع میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ (ص ۱۸۳)

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مولویوں کو کیا ہوا کہ جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ تو خود لکھے پڑھے ہیں نہیں، فرمایا کہ اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ ایک شخص کے پاس تمام مٹھائیوں کی فہرست ہے مگر اس نے چکھی نہیں ایک وہ شخص ہے کہ نام ایک مٹھائی کا بھی نہیں جانتا مگر ہاتھ میں سب لئے ہوئے کھا رہا ہے اب بتاؤ کون محتاج ہے کس کا۔ (ص ۳۰۷)

فرمایا گناہوں کی عادت چھوڑنے کے تین گر ہیں۔ (۱) خود ہمت کرے (۲) حق تعالیٰ سے ہمت طلب کرے (۳) خاصان حق سے ہمت کی دعا کرائے۔

احقر اختر عرض کرتا ہے تیسرے جز کے متعلق روح المعانی میں ایک عبارت ملی جو اہل علم کے لئے قابل توجہ ہے۔ صل علیھم کی تفسیریوں کی ہے ای بامداد الھمۃ و فیضان انوار الصحۃ۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے لئے ہمت کی دعا کا حکم دیا ہے پس خاصان خدا کی دعا کا مقام واضح ہو گیا۔ (روح المعانی پ ۱۱ ص ۲۵)

اہل اللہ کی صحبت میں برکت اور ان کی مجلس میں نزول رحمت پر تو تجربہ و مشاہدہ تواتر سے ثابت ہے۔ ملا علی قاری جلد ۵ صفحہ ۱۹۵ پر رقمطراز ہیں،

وفیہ استحباب الدعاء عند حضور الصالحین فان عند ذکرھم تنزل الرحمۃ فضلا عن وجودھم و حضورھم۔ ترجمہ: جب اللہ والوں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے تو خود ان کی صحبت اور مجلس میں کس قدر رحمت برستی ہوگی۔

علامہ ابن حجرؒ و شیخ عبادہ مالکی کا سبق آموز واقعہ

جو لوگ زاہد خشک تھے بزرگوں کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول رہی بہتوں کو اس کی طرف کھینچ لائی اور وہ باطن میں پورے پورے عامل اور سالک ہوگئے مثال میں ابن حجر شارح بخاری پیش کئے جاتے ہیں انہوں نے اپنی تکمیل شیخ مدین سے کی چنانچہ ان کی رجوع کا واقعہ یہ ہوا کہ انہوں نے ابن فارض کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر حضرت شیخ مدین کی خدمت میں برائے تصویب وتقریظ پیش کیا۔ حضرت نے اس کے سرورق پر بس یہ شعر لکھ کر واپس کردیا کہ

سارت مشرقة وسيرت مغربـــــا

شتان بين مشرق و مغــــرب

اس سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو اب تک فن حدیث کی خدمت میں رہے ہیں اس میدان میں قدم رکھا ہی نہیں تھا تو بھلا اس کے نشیب وفراز کو کیا جانیں اور جو شخص کسی بات کو جانتا ہی نہیں وہ اس کی شرح کیا کرسکتا ہے یہ ابیات صوفیہ کے احوال سے متعلق ہیں اس لئے اس کی شرح تو کوئی اہل طریق صاحب باطن ہی کرسکتا ہے علامہ ابن حجر اب تک جس سے غافل تھے اس پر تنبہ ہوا اور بات کی تہہ تک پہونچے۔ طریق اور اہل طریق کا اذعان واعتقاد کرکے پھر شیخ مدین کی خدمت میں رہ پڑے اور وہیں وفات پائی۔

اسی طرح شیخ عبادہ مالکی بھی شیخ مدین کی خدمت میں گئے اور رہنے لگے۔ حالانکہ پہلے ان کے منکر تھے۔ مگر بعد میں حضرت کا اقرار کیا اور معتقد ہوئے ان کے رجوع کرنیکا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ نہایت عبرتناک اور سبق آموز واقعہ ہے۔ طبقات کبری میں موجود ہے وہ یہ ہیکہ شیخ عبادہ مالکی سادات مالکیہ میں کے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہم عصر شیخ مدین پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہتے تھے کہ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اس کے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے ان کو شیخ مدین کا انکار تو تھا ہی اس میں اضافہ اور مزید یہ ہوگیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدین کی مجلس میں آنے لگے۔ شیخ مدین نے اپنے یہاں منعقد ہونے والی سالانہ مجلس محفل مولد میں ایک مرتبہ شیخ عبادہ کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ شیخ عبادہ آئے لیکن شیخ مدین نے اپنے اصحاب سے تاکید کردی تھی کہ جب شیخ عبادہ آویں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش تک

نہ کرے۔ اور نہ ہی ان کی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں ان کے لئے جگہ ہی کشادہ کی جائے۔ چنانچہ جب شیخ عبادہ آئے تو خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہوگئے اور کسی کو متوجہ نہ پاکر خوب خوب پیچ وتاب کھاتے رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مارے غصہ کے پاش پاش ہوجائینگے جب اس حالت پر کچھ دیر گذری تو سید مدین نے سر اٹھایا اور حاضرین سے فرمایا کہ بھائی شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کرو اور ان سے کہا کہ آئیں آپ یہاں میرے پاس تشریف لائیں۔ جب وہ سید مدین کے پاس آکر بیٹھ گئے تو بیٹھتے ہی انہوں نے فرمایا کہ ایک سوال درپیش ہے اجازت ہو تو عرض کروں شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے بالخصوص جب کہ ان کی جانب سے کسی قسم کے خوف کا اندیشہ نہ ہو انہوں نے جواب دیا کہ جائز نہیں ہے۔ سید مدین نے فرمایا کہ اچھا تو آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور یہاں کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں شیخ عبادہ نے کہا ہاں بے شک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد سید مدین نے ان سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اچھا یہ بتلائیے کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ تم میری تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم خدائے تعالی اپنے بندوں سے چاہتے ہیں تو یہ آپ کے نزدیک کیسا ہے اور اس شخص کو آپ کیا فرمائینگے۔ شیخ عبادہ نے جواب دیا کہ میں اس سے کہوں گا کہ اے شخص تو کافر ہوگیا جا تجدید ایمان کر اس کے بعد کچھ دیر تک اسی طرح باہم سلسلہ کلام جاری رہا میرا خیال یہ ہیکہ شیخ مدین نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد ان کا انطباق فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ لوگوں کا بھی ہے کہ ہم سب بھی اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں اور نہ ہونے پر ناگواری ہوتی ہے اس کے متعلق بھی حکم لگائیے یہ کیسا ہے شیخ عبادہ کی سمجھ میں بات آگئی تاآنکہ انہوں نے کھڑے ہوکر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ حضرات آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں آج سے سید مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلے کا آج پہلا دن ہے اور اول داخلہ ہے پھر تازیست ان کی خدمت میں رہ پڑے۔ حتی کے وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقراء میں مدفون ہوئے۔

(طبقات الکبری جلد ۴۔ صفحہ۔ ۱۱۳) از ماہنامہ معرفت حق۔۔ شعبان سنہ ۱۳۹۲ھ

اخلاص

از:۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتہم

پہلی چیز اخلاص ہے آپ کسی بڑے بزرگ یا جس کا نام دنیا میں روشن پاتے ہیں اگر آپ اس کی زندگی کا مطالعہ کرینگے تو اس کی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کو ایک اہم معاون پائنگے اس کی ہر چیز کو اخلاص نے دوام بخشا ہے ۔ آپ ملا نظام الدین کو دیکھ لیجئے جن کے درس نظامی کا سلسلہ صرف ہند و پاک میں نہیں اقطاع عالم میں چل رہا ہے اور جس کو باوجود کوششوں کے ۔ اپنی جگہ سے ہلایا بھی نہیں جاسکا محض انکی علمیت کی بناء پر ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کے ساتھیوں اور ان کے معاصرین میں بہت سے ایسے اشخاص تھے جو علم و فضل اور ذہانت میں ان کے ہم پلہ ضرور رہے ہونگے لیکن کیا بات ہیکہ آج ملا نظام الدین تو زندہ جاوید ہیں لیکن انکے معاصرین کا تذکرہ اگر آتا ہے تو انکے سلسلہ میں ہی آتا ہے ۔ اگر آپ غور کریں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس کی پشت پر اخلاص کی وہ زبردست قوت کارفرما پائینگے جس نے ملا نظام الدین کو قیامت تک کیلئے زندہ جاوید بنا دیا بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے پڑھنے کے بعد یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں سیکھا ہے اور انہوں نے ایک امی شخص سے جو گوشۂ گمنامی میں اودھ کے ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں (بانسہ) میں اخلاص کا سرمایہ لیکر پڑا ہوا تھا اپنے آپ کو متعلق کر لیا اگر ملا نظام الدین چاہتے تو بہت سے ایسے بھی خدا کے بندے ان کو مل سکتے تھے جو اپنے وقت کے امام تصور کئے جاتے تھے لیکن ملا نظام الدین نے .. آپ کو ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جس کی شہرت ہوئی تو ملا نظام الدین سے ہوئ وئی ۔ اس کی اگر مثالیں دی جائیں تو سینکڑوں مثالیں ملینگی۔ ندگی)

☆ ختم شد ☆